’’نصابِ زکوٰۃ‘‘ تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب *

Abstract:

Zakat plays an important role in the economics system of Islam. The rulings about Zakat are crystal clear in the Quran and Sunnah (Shariah). From its collection to disbursement, all the stages are well defined in Islamic Fiqh.

Nisab for Gold, Silver, Animals and Currency is fixed by the Sunnah of the Prophet (PBUH). The other thing which come under nisab are Trade Commodities, Certificates and Bonds etc. Further, it is said that the amount on which Zakat is to be deducted must be in the possession of the owner for one year.

However, the question which remained central point of discussion among the Ulama and Scholars is to whom it should be distributed at various times. This paper tries to answer this question and present comprehensively the views. The vans of the Jurists concerning this issue (nisab).

زکوٰۃ اسلامی نظامِ معیشت کا بنیادی ستون ہے۔ زکوٰۃ کے متعلق شرعی احکامات واضح اور تفصیلی ہیں۔ اس کی وصولی اور تقسیم اور اس کے درمیان کے تمام مراحل بڑے اہم ہیں لیکن نصابِ زکوٰۃ کا تعین ہمیشہ سے علماء اور محققین کی خاص توجہ کا حامل رہا ہے۔ مقالہ ہذا نصابِ زکوٰۃ سے متعلق ہے، جس میں اس سے متعلق فقہاء کی آراء کو منضبط اور جامع طریقے سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نصاب کی تعریف:

’’القدر الذی تجب فیه الزکوٰۃ اذا بلغه نحو مائتی درهم ، خمس من الابل‘‘

(۱) زکوٰۃ کا نصاب مال کی اُس خاص مقدار کو کہا جاتا ہے جس پر شریعت نے زکوٰۃ فرض کی ہے اور جس مقدار سے کم مال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی مثلاً اونٹ کے لئے پانچ، بکری کے لئے چالیس اور گائے بھینس کے لئے تیس کا عدد، چاندی کے لئے دوسو درہم اور سونے کے لئے بیس مثقال۔

نصاب کی تعریف کرتے ہوئے علامہ سعدی لکھتے ہیں’’ **القدر الذی اذا بلغه المال وجبت الزکاة.**‘‘(۲)

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

نصاب کی قسمیں:

نصاب کی دو قسم ہیں:

(الف) نامی یعنی بڑھنے والا مال (ب) غیر نامی یعنی نہ بڑھنے والا مال

مال نامی کی بھی دو قسمیں ہیں:

(الف) حقیقی اس کا اطلاق تو تجارت کے مال اور جانور پر ہوتا ہے کیونکہ تجارت کا مال نفع سے بڑھتا ہے اور جانور بچوں کی پیدائش سے بڑھتے ہیں۔

(ب) تقدیری اس کا اطلاق سونے اور چاندی پر ہوتا ہے۔ یہ چیزیں بظاہر تو نہیں بڑھتیں لیکن بڑھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

نصاب غیر نامی کا اطلاق مکانات اور خانہ داری کے اُن اسباب پر ہوتا ہے جو ضرورت اصلیہ کے علاوہ ہوں۔

نصاب نامی اور غیر نامی میں فرق:

نصاب نامی اور غیر نامی کے درمیان فرق یہ ہے کہ نصاب نامی کے مالک پر تو زکوٰۃ فرض ہوتی ہے نیز اس کے لئے صدقہ فطر دینا اور قربانی کرنا واجب ہوتا ہے۔ ''نصابِ غیر نامی'' کے مالک پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی مگر اس کے لئے بھی زکوٰۃ، نذر اور صدقہ واجبہ کا مال لینا درست نہیں ہوتا۔ نیز اُس پر بھی صدقہ فطر دینا اور قربانی کرنا واجب ہوتا ہے۔(۳)

مشترک نصاب:

وہ اموال اور سوائم جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اگر انفرادی ملکیت کے بجائے اجتماعی و مشترک ملکیت ہو تو اس کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ شرکت کی حالت میں بھی وہی ضروری شرائط ہیں جو انفرادی حالت کے لئے ہیں۔ یعنی ہر شریک کا نصاب کامل ہو چنانچہ اگر ہر شریک کا حصہ نصاب کے بقدر ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

حضرات شوافع کا مسلک یہ ہے کہ اگر مویشوں کے چرانے کے اسباب متحد ہوں کہ دونوں کا چرواہا، چراگاہ، پانی پینے کی گھاٹ اور باڑہ ایک ہی ہو اور دونوں میں وجوب زکوٰۃ کی اہلیت ہے تو ان دونوں کا مال ایک ہی سمجھا

جائے گا اوران دونوں پرزکوٰۃ واجب ہوگی، اگر چہ وہ دونوں اگر منفرد ہوتے تو ان پرزکوٰۃ واجب نہ ہوتی۔(۴)

امام شافعی درج ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

عن انس بن مالک ان ابابکر رضی اللہ تعالیٰ: "کتب لھم ... ولایجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع خشیة الصدقة و ماکان بین خلیطین فانھما یتراجعان بالسویّة."(۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے انہیں زکوٰۃ وصول کرنے ے لئے بحرین بھیجا تو انہیں ایک ہدایت نامہ لکھ دیا جس میں آپ نے لکھا تھا: کہ زکوٰۃ کے خوف سے متفرق کو جمع نہ کیا جائے اور نہ مجتمع میں تفریق کی جائے۔اور جو چیز دو شریکوں میں مشترک ہو تو وہ دونوں باہم برابر برابر رجوع کرلیں۔

امام شافعیؒ کا کہنا یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے جمع و تفریق کا اعتبار کیا ہے کہ آپ نے متفرق نصاب کو جمع کرنے اور مجتمع نصاب کو جدا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور اگر جمع (شرکت) کی حالت کو انفرادی حالت پر قیاس کیا جائے اور ہر شریک کے لئے پورے نصاب کی شرط لگائی جائے تو جمع (شرکت) کا مفہوم باطل ہو جائے گا اور مجتمع کو جدا کرنا لازم آئے گا

احناف درج ذیل روایت سے استدلال کرتے ہیں:

''**لیس فی سائمة المسلم اذا کانت اقل من اربعین صدقة.**''(۶) یعنی مسلمان کی سائمہ بکریوں میں جب تک چالیس سے کم ہوں زکوٰۃ واجب نہیں۔

احناف کا کہنا ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے کہ اس میں شرکت اور انفرادی حالت کو کوئی قید نہیں، لہذا شریک و منفرد ہر ایک کے لئے پورا نصاب زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لئے شرط ہے۔

حضرات شوافع کی جانب سے پیش کی جانے والی مذکورہ حدیث کا جواب احناف یہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ''**ولایجمع بین متفرق**'' بھی ہماری دلیل بن رہا ہے۔ کیونکہ اس سے مراد تفرق ملکیت ہے نہ کہ تفرق مکان، کیونکہ ہم سب کا اجماع ہے کہ اگر ایک نصاب دو مکانوں میں ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ لہذا اس سے مراد تفرق ملکیت ہے۔اور حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے کہ اگر دو آدمیوں کی ملکیت جدا جدا ہے تو زکوٰۃ کی وجہ سے اُسے جمع نہ کیا جائے اور یوں نہ سمجھا جائے کہ گویا ایک ہی ہیں۔

مثلاً دو آدمیوں میں پانچ اونٹ، تیس گائے یا چالیس بکریاں مشترک ہیں اور ان پر سال پورا ہو چکا ہے اور زکوٰۃ وصول کرنے والا یہ چاہتا ہے کہ اس مال سے زکوٰۃ وصول کرلے بایں طور کہ دونوں کی ملکیت کو جمع کرے اور

اسے ایک ہی مال شمار کرے تو اُسے یہ اختیار نہیں۔

یا مثلاً دو آدمیوں میں اسی بکریاں مشترک ہیں اور ان کا سال پورا ہو چکا ہے تو ہر شریک پر ایک بکری واجب ہوتی ہے۔ اب زکوٰۃ کے خوف سے دونوں چاہتے ہیں کہ اپنی ملکیت کو جمع کرلیں اور یوں سمجھیں کہ گویا ایک ہی ملکیت ہے، تا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے مُصدّق کو ایک ہی بکری دینا پڑے تو انہیں یہ اختیار حاصل نہیں کیونکہ ان کی ملکیت متفرق ہے لہذا زکوٰۃ کی وجہ سے جمع کرنے کے مجاز نہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد " **ولا یجمع بین متفرق** " میں بھی اجتماع ملکیت مراد ہے۔ مثلاً ایک شخص کی دو مختلف چراگاہوں میں اسی بکریاں ہیں اور اس صورت میں اس پر ایک بکری واجب ہوتی ہے اب اگر مُصدق یہ چاہتا ہے کہ اس مجتمع ملکیت کو دو چراگاہوں کی وجہ جدا جدا کردے اور انہیں دو الگ الگ نصاب شمار کرے تو مُصدّق کو یہ اختیار حاصل نہیں، کیونکہ ملکیت مجتمع ہے لہذا مصدق تفریق کرنے کا مجاز نہیں۔

اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ:

عہد رسالت اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے ادوار میں ہر قسم کے اموال کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کی جاتی تھی (۷)۔ اس مبارک زمانہ میں اموال ظاہرہ اور باطنہ کی کوئی تفریق نہ تھی۔ جب حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں زکوٰۃ کے قابل اموال کی کثرت ہوگئی اور اسلامی فتوحات دور دراز تک پھیل گئیں تو حضرت عثمان غنیؓ نے محسوس کیا کہ اگر ہر قسم کے اموال کی زکوٰۃ سرکاری طور پر وصول کی گئی تو لوگوں کے پرائیویٹ مکانات، دکانوں اور گوداموں کی تلاشی لینی ہوگی اور ان کے املاک کی چھان بین کرنی پڑے گی جس سے لوگوں کو تکلیف ہوگی اور ان کے محفوظ شخصی مقامات کی نجی حیثیت مجروح ہوگی جس سے فتنے پیدا ہوں گے اس لئے حضرت عثمان غنیؓ نے یہ تفریق فرمادی کہ حکومت صرف اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرے گی اور اموال باطنہ کی زکوٰۃ مالکان خود ادا کریں۔

حکومت صرف اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرے گی اس لئے کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرنے میں نہ مذکورہ مضرت و پریشانی لاحق ہوتی ہے اور نہ حساب کتاب کرنے کے لئے گھروں اور دکانوں کی تلاشی لینی پڑتی ہے۔ حضرت عثمان کے اس فیصلہ کی تفصیلات مفسر قرآن امام ابوبکر جصاصؒ اور معروف حنفی فقیہ علامہ کاسانیؒ نے بیان فرمائی ہیں۔(۸)

حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں اموال ظاہرہ میں مویشی اور زرعی پیداوار کو شامل کیا گیا اور باقی بیشتر اموال نقدی سونا چاندی اور دیگر سامان تجارت کو اموال باطنہ قرار دیا گیا۔

بعد میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دورِ خلافت آیا تو انہوں نے اُس مالِ تجارت کو بھی اموالِ ظاہرہ کے حکم میں شمار فرمایا جو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جایا جا رہا ہو۔ کیونکہ حکومت کو اس کی زکوٰۃ وصول کرنے اور اس کا حساب کرنے کے لئے مالکان کے گھروں، دکانوں اور نجی مقامات کی تلاشی لینے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ چنانچہ شہر کے ناکوں پر ایسی چوکیاں مقرر کر دی گئی تھیں جو ایسے مالِ تجارت کی زکوٰۃ موقع پر ہی وصول کر لیں اور اسی کو فقہاء نے ''**من یمرُّ علی العاشر**'' سے تعبیر فرمایا۔(۹)

عصرِ حاضر اور اموالِ ظاہرہ:

موجودہ دور میں یہ ایک جدید مسئلہ درپیش ہے کہ کن کن اموال پر اموالِ ظاہرہ کا اطلاق کیا جا سکتا ہے جن سے حکومتی سطح پر زکوٰۃ وصول کی جا سکتی ہے؟

زرعی پیداوار اور مویشیوں کا معاملہ تو واضح ہے کہ وہ اموالِ ظاہرہ میں سے ہیں لیکن اس دور میں بہت سے اموال ایسے ہیں جن کو اموالِ ظاہرہ قرار دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً بینکوں یا دوسرے مالیاتی اداروں میں رکھی ہوئی رقوم جن سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے گھروں کی تلاشی لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ نقود کو تو فقہائے کرام نے اموالِ باطنہ میں شمار کیا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے'' **ومن مر علیٰ عاشر بمائة درهم واخبره ان له فی منزله مائة اخریٰ قد حال علیها الحول لم یزک التی مر بها لقلته و ما فی بیته لم یدخل تحت حمایته الخ.**''(۱۰)

یعنی اگر ایک شخص کے پاس سو درہم ہیں اور وہ عاشر کے پاس سے گذرا اور عاشر کو اُس نے آگاہ کیا کہ میرے گھر میں ان کے علاوہ بھی سو درہم موجود ہیں اور ان پر سال گذر چکا ہے تو عاشر ان سو درہم کی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا جو وہ ساتھ لے کر جا رہا ہے کیونکہ وہ نصاب سے کم ہیں اور درہم اُس کے گھر میں ہیں وہ عاشر کے تصرف میں نہیں آتے۔ کیونکہ یہ ایسا مال ہے جس کی زکوٰۃ دینے کا مالک خود مجاز ہے بخلاف مویشیوں کے اگر عاشر کے پاس سے گذرنے والے شخص کے پاس مقدار سے کم مویشی ہوں اور بقیہ گھر پر موجود ہوں تو عاشر زکوٰۃ وصول کر لے گا۔

ہدایہ کی اس عبارت سے جہاں نقد روپے کے اموال باطنہ میں سے ہونے کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نقد روپیہ وغیرہ اس وقت تک اموالِ باطنہ رہتے ہیں جب تک وہ پوشیدہ نجی مقامات پر مالکان کے زیرِ حفاظت ہوں۔

چنانچہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ نقود سے فقہائے کرام کی مراد وہ نقود ہیں جن کا حساب کرنے کے لئے

لوگوں کے مکانات وغیرہ کی تلاشی لینی پڑے، مطلق نقود مراد نہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ خلفائے راشدین سے لے کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور تک تمام خلفاء کے بارے میں یہ ثبوت موجود ہے کہ وہ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں اور دوسرے باشندوں کو دئے جانے والے وظائف سے ادائیگی کے وقت ہی زکوٰۃ کاٹ لیا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے:

''وکان ابو بکر الصدیقؓ إذا أعطی الناس عطِیَاتِھم یسأل الرجل ھل عندک من مال وجبت علیک فیه الزکوٰۃ؟ فان قال: نعم ، اخذ من عطائه زکوۃ ذلک المال وان قال لا،أسلم الیه عطائَه ولم یاخذ منه شیئاً.''(۱۱)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو وظائف دینے لگتے تو اُن سے پوچھ لیتے تھے کہ کیا اُن کے پاس ایسا مال تو نہیں جس پر زکوٰۃ واجب ہو اگر کوئی شخص ہاں میں جواب دیتا تو اُس کے وظیفہ سے زکوٰۃ منہا کر لیتے ورنہ وظیفہ کی پوری رقم دے دیتے اور اُس میں سے کچھ میں منہا نہ فرماتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مصنف ابن ابی شیبہ میں اسی قسم کا معاملہ مذکور ہے:

''عن عبد الرحمن بن عبد القاری وکان علیٰ بیت المال فی زمن عمرؓ مع عبید اللہ بن الارقم فاذا خرج العطاء جمع عمرؓ اموال التجارۃ فحسب عاجلھا و آجلھا ثم یاخذ الزکوٰۃ من الشاھد و الغائب.''(۱۲)

حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے بارے میں ممکن ہے یہ کہا جائے کہ ان کے دور میں اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی کوئی تفریق نہ تھی اس لئے وہ ہر قسم کے اموال سے زکوٰۃ وصول فرماتے تھے۔لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جنہوں نے یہ تفریق قائم فرمائی تھی اور نقود کو اموال باطنہ قرار دے کر ان کی زکوۃ سرکاری طور پر وصول کرنی چھوڑ دی تھی خود اُن کے بارے میں مؤطا میں ہے:

عن عائشه بنت قدامة، عن ابیھا ، أنه قال: ''کنت اذا جئت عثمان بن عفّان لِأقبض عطائی ، سألنی : ھل عندک من مال وجبت علیک فیه الزکوٰۃ ؟ قال فإن قلت : نعم ، أخذ من عطائی زکاۃ ذٰلک المال وان قلت :لا ، دفع إلیّ عطائی.''(۱۳)

حضرت عائشہ بنت قدامہ اپنے والد سے روایت کرتی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت عثمان غنی کے پاس اپنا وظیفہ لینے کے لئے حاضر ہوتا تو آپ مجھ سے یہ پوچھتے کیا تمہارے پاس ایسا مال موجود ہے جس پر زکوٰۃ

فرض ہوتی ہے؟ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو آپ میرے وظیفہ سے زکوٰۃ منہا کر لیتے تھے اور اگر میں کہتا نہیں تو آپ مجھے پورا وظیفہ دے دیتے۔

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں مصنف ابن ابی شیبہ میں مروی ہے:

''کان ا بن مسعود یز کی عطیاتھم من کل الف خمسة و عشرین.''(۱۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کی تنخواہوں کی زکوٰۃ اس حساب سے وصول فرمایا کرتے تھے کہ ہر ہزار پر پچیس وصول کر لیتے تھے۔ مصنف عبدالرزاق کی روایت کے مطابق اس دور کے تمام امراء کا بھی یہی معمول تھا۔(۱۵)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ خلافت میں اگرچہ اموال ظاہرہ و باطنہ کی تفریق قائم ہو چکی تھی لیکن ان کے بارے میں مروی ہے **عن جعفر بن برقان "إن عمر بن عبد العزیز کان اذا اعطی الرجل عطائه او عمالته اخذ منه الزکوٰة.''(۱۶)**

جعفر بن برقان فرماتے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جب لوگوں کو انعام یا تنخواہیں دیتے تو اُن سے زکوٰۃ وصول کر لیتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

عن عمر بن عبد العزیز: "کا ن یزکی العطاء و الجائزة.''(۱۷) یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز تنخواہوں اور انعامات سے زکوٰۃ وصول کر لیتے تھے۔

ان تمام روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جن نقود پر حکومت کو تلاشی کے بغیر اطلاع ہونا ممکن ہو وہ اموال باطنہ میں شامل نہیں ہیں بلکہ ان سے حکومت زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے۔

نابالغ کے مال کی زکوٰۃ:

امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ نابالغ کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے، جبکہ امام ابوحنیفہؒ، حضرت سفیان ثوریؒ، اور عبداللہ بن المبارکؒ کے نزدیک نابالغ کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں چنانچہ مؤطا میں ہے **''وأما ما کان من حلی ذھب او فضة ففیه الزکوٰة إلا أن یکون ذلک لیتیم او یتیمة لم یبلغا فلاتکون فی مالھا زکوٰة و ھو قول ابی حنیفة.''(۱۸)**

آئمہ ثلاثہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدّہٖ ان النبی ﷺ خطب الناس فقال: "ألا من ولی یتیماً(۱۹) له مال فلیتجر و لا یترکه حتی تأکله الصدقة."(۲۰)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے جدّ محترم سے روایت کرتے ہیں: کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا: یاد رکھو تم میں سے جو شخص بھی کسی یتیم کا سرپرست بنے اور اُس یتیم کا مال موجود ہو تو اُسے تجارت میں لگائے کہیں ایسا نہ ہو کہ زکوٰۃ کی وجہ سے اُس کا مال ہی ختم ہو جائے۔ اس کے علاوہ آئمہ ثلاثہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اثر سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اپنے اُن یتیم بھتیجوں جو اُن کی زیر کفالت تھے کے مال کی زکوٰۃ ادا کرتی تھیں:

عن عبدالرحمن بن القاسم عن أبیه انه قال: "کانت عائشة تلینی أنا و أخاً لی یتیمین فی حجرها فکانت تخرج من اموالنا الزکوٰة."(۲۱)

امام ابوحنیفہؒ وغیرہم سنن ابوداؤد اور سنن نسائی میں موجود معروف حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے صراحۃً نابالغ کو غیر مکلّف قرار دے دیا، لہذا اُس پر نماز وغیرہ دوسرے واجبات کی طرح زکوٰۃ بھی واجب نہ ہوگی۔

عن عائشة عن النبی ﷺ قال:"رفع القلم عن ثلاث، عن النائم حتیٰ یستیقظ وعن الصغیر حتی یکبر و عن المجنون حتی یعقل او یفیق."(۲۲)

نیز یہ حضرات عبداللہ بن مسعودؓ کے اثر سے بھی استدلال کرتے ہیں "**لیس فی مال الیتیم زکوٰة.**" (۲۳)

اس طرح آئمہ ثلاثہ کے نزدیک نابالغ کے مال پر زکوٰۃ فرض ہے جب کہ احناف کے نزدیک نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے کیوں کہ قرآن وسنّت نے یتیم، نابالغ کے مال کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ دوسری طرف گناہوں سے پاک کرنا زکوٰۃ کا ایک اہم مقصد ہے جب کہ نابالغ مرفوع القلم ہوتے ہیں اس لیے ان کے مال کی تطہیر مقصود ہی نہیں۔ اس لحاظ سے احناف کا مسلک راجح معلوم ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کا مطالبہ کون کرسکتا ہے؟

زکوٰۃ کی ادائیگی کا مطالبہ کرنے کا حق کسے حاصل ہے اس بارے میں چند باتیں جاننا ضروری ہے۔

۱- زکوٰۃ لینے کا اختیار کسے حاصل ہے؟

۲- زکوٰۃ لینے والے کے لئے کیا شرائط ہیں؟

گذشتہ صفحات پر وضاحت کی جا چکی ہے زکوٰۃ اموال کی دو قسمیں ہیں:

اموال ظاہرہ: یعنی مویشی اور وہ مال تجارت جو تاجر کے پاس ہو اور اُس کا گذر عاشر کے پاس سے ہو۔

اموال باطنہ: اموال باطنہ میں سونا، چاندی، کرنسی اور وہ اموال تجارت آتے ہیں جو لوگوں نے اپنے گھروں یا دکانوں پر رکھے ہوں۔

اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ لینے کا اختیار سربراہ ریاست اور اس کے نائبین کو ہے۔ امام کے نائبین کے لئے حدیث، تفسیر، فقہ اور تاریخ کی کتابوں میں مختلف اصطلاحات کا ذکر ملتا ہے مثلاً ''مُصَدِّقین''، ''ساعی''، ''جابی'' اور مُحَصّل، سعاۃ اور عُشار وغیرہ۔

اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ لینے کا اختیار سربراہ ریاست یعنی امام المسلمین کو حاصل ہے اُس کا ثبوت قرآن، سنت اور اجماع سے ہے۔

قرآن:

﴿خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها و صل عليهم.﴾ (۲۴)

یہ آیت زکوٰۃ کے بارے میں نازل ہوئی اور اکثر مفسرین اسی پر متفق ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہو کہ امام المسلمین کو زکوٰۃ کا مطالبہ کرنے اور زکوٰۃ لینے کا حق حاصل ہے۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إنما الصدقاتُ للفقرآء والمساكين والعٰملين عليها.﴾ (۲۵)

صدقات، فقرا، مساکین اور صدقات کی وصولی کا کام کرنے والوں کے لئے ہیں۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے امام المسلمین کو زکوٰۃ کی وصولی کا اختیار دیا ہے اور تشفی بخش وضاحت فرمادی کیونکہ صدقات میں عاملین کا حق مقرر فرمایا۔ اگر امام المسلمین کو ارباب اموال سے مویشیوں کے ٹھکانوں میں ان کی زکوٰۃ کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہ ہوتا، اور ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی ارباب اموال کے سپرد ہوتی تو ان مصارفِ صدقات میں عاملین کا ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ (۲۶)

سنت اور اجماع سے ثبوت:

سنت اور اجماع سے ثبوت کی دلیل یہ ہے رسول اللہ ا نے قبائل عرب، شہروں اور دور دراز علاقوں میں مویشیوں کے ٹھکانوں پر ان کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مصدّقین کو روانہ فرمایا۔ اور آپ کے بعد آپ خلفائے راشدین حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی معمول رہا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب بعض قبائل نے یہ کہا کہ وہ زکوٰۃ بیت المال میں داخل نہیں کریں گے بلکہ بطور خود اس کو صرف کریں گے تو شریعت محمدیہ کے شناسائے راز نے ان کی اس تجویز کو قبول نہ کیا اور بزور طاقت ان کو بیت المال میں زکوٰۃ داخل کرنے کے پر مجبور کیا۔ (۲۷)

نیز یہ بھی فرمایا:

''اللہ کی قسم! نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں صدقات وصول کا جو طریقہ رائج رہا اس میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا اور میرا زکوٰۃ وصول کرنے کا طریقہ کار وہی ہوگا جو رسول اکرم ﷺ کیا کرتے تھے۔'' (۲۸)

کن اشیاء پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟

شریعت نے چار قسم کے مالوں پر زکوٰۃ فرض کی ہے:

۱- اثمان مطلقہ یعنی سونا چاندی ۲- سائمہ جانور

۳- تجارتی مال ۴- زراعت اور باغات کی آمدنی

اگرچہ فقہاء ''زراعت اور باغات کی آمدنی'' کو ''زکوٰۃ'' کے لفظ سے ذکر نہیں کرتے بلکہ اُسے عشر کہتے ہیں۔ چنانچہ متفقہ طور پر تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چوپایہ جانوروں یعنی اونٹ، گائے، بکری، دنبہ، اور بھینس میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ نر ہو یا مادہ۔ ان کے علاوہ اور جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گھوڑوں میں بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تفصیل آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی۔

اسی طرح متفقہ طور پر تمام ائمہ کے نزدیک سونے، چاندی اور تجارت کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے۔

جو چیزیں طویل عرصہ تک قائم نہ رہتی ہوں جیسے سبزیوں اور فروٹ کی مختلف اقسام ان میں احناف کے علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک واجب نہیں ہوتی۔ مذکورہ چاروں اموال کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے مویشیوں اور مال کے بارے میں ایک اہم فرق کو واضح کرتے ہیں۔

مویشیوں اور مال کی زکوٰۃ کا فرق:

فقہائے کرام نے مویشیوں اور زمین کی پیداوار اور اموال زکوٰۃ کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے ایک اہم نکتہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے سلسلے میں فرمایا﴿ وآتوا الزکوۃ ﴾ اور زکوٰۃ ادا کرو اور اس میں امام المسلمین کے طرف سے وصولی کی شرط عائد نہیں کی۔

لیکن صدقات کے بارے میں فرمایا﴿ **خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها وصل عليهم.** ﴾(۲۹) ان کے اموال سے صدقہ وصول کیجئے جس کے ذریعے انہیں پاک کریں۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ **إنما الصدقاتُ للفقرآء والمساكين والعٰملين عليها.** ﴾(۳۰)

صدقات تو فقرا، مساکین اور صدقات کی وصولی کا کام کرنے والوں کے لئے ہیں۔

ان صدقات کی وصولی پر عامل اور اُس کے کارندوں کا تقرر اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی وصولی پر امام المسلمین کے حق کا اسقاط کسی طرح جائز نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد ہے:

''**اُمرتُ ان آخذ الصدقة من اغنيائكم واردها فى فقرآئكم.**''(۳۱) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے دولت مندوں سے صدقات وصول کر کے تمہارے فقرآء کے درمیان تقسیم کردوں۔ اللہ تعالیٰ نے صدقات میں وصولی کی شرط عائد کردی لیکن اموال کی زکوٰۃ میں اس شرط کا ذکر نہیں کیا۔

امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں:

جن حضرات نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے ان کے نزدیک اگرچہ زکوٰۃ بھی صدقہ ہے لیکن زکوٰۃ کا نام صدقہ سے خاص ہے اور صدقہ کا نام مویشیوں وغیرہ کی زکوۃ کے ساتھ خاص ہے جب اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو ادائیگی کے لفظ کے ساتھ خاص کر دیا اور فرمایا: ﴿ وآتوا الزکوٰة ﴾ اور زکوٰۃ ادا کرو، امام کی طرف سے وصولی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

دوسری طرف صدقہ صدقہ کی وصولی کا حکم امام المسلمین کو دیا تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی ذمہ داری زکوٰۃ ادا کرنے والوں پر عائد کردی جائے۔

البتہ اس بات پر فقہائے سلف کا اتفاق ہے کہ جو مسلمان سامان تجارت وغیرہ لے کہیں سے گزرے گا تو اس سے مقامی حکام دسواں حصہ وصول کر لیں گے۔ جبکہ صدقات کی وصولی کا حق صرف امام المسلمین کو حاصل رہے

گا۔(۳۲)

۱- اثمان مطلقہ کا نصاب:

اثمان مطلقہ سے مراد ذہب اور فضہ یعنی سونا اور چاندی ہیں:

چاندی کا نصاب:

اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اور دوسو درہم سات سو(700) گرام کے مساوی ہوتے ہیں۔(۳۳) جب کسی شخص کے پاس دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولے چاندی) نہ ہو اُس وقت تک اُس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور جب دوسو درہم ہو جائیں تو پانچ درہم واجب ہوں گے چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

قال رسول اللہ ﷺ "قد عفوت عن صدقة الخيل والرقيق فهاتوا صدقة الرقة من كل اربعين درهماً درهمٌ وليس فى تسعين و مائة شئ فاذا بلغت مائتين ففيها خمسة دراهم."(۳۴)

سونے کا نصاب:

سونے کا نصاب بیس مثقال یعنی بیس دینار ہے۔اور بیس مثقال ہو جائے اور اُس پر سال گزر جائے تو نصف دینار یعنی چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ کے ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

امام مالکؒ کا ارشاد ہے:

"السنة التى لا اختلاف فيها عندنا أن الزكاة تجب فى عشرين ديناراً كما تجب فى مائتى درهم."(۳۵)

وہ سنت جس میں ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں وہ یہ ہے کہ بیس دینار پر زکوٰۃ اسی طرح واجب ہوتی ہے جس طرح دوسو درہم پر واجب ہوتی ہے۔

ہمارے مروجہ اوزان کے لحاظ سے ایک مثقال چار ماشہ اور چار رتی کا ہوتا ہے۔(۳۶) اس لحاظ سے بیس مثقال ساڑھے سات تولے کے ہم وزن جو کہ تقریباً 91.23 گرام کے برابر ہوں گے۔(۳۷) جب سونے کی مقدار بیس مثقال ہو جائے گی تو اس میں نصف مثقال زکوٰۃ واجب ہوگی۔(۳۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن علی رضی اللہ عنہ : أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "لیس علیک شئ یعنی فی الذھب حتیٰ یکون لک عشرون دیناراً ، فاذا کانت لک عشرون دیناراً وحال علیه الحول فیھا نصف دینار فمازاد فبحساب ذلک ، ولیس فی مال زکوۃٌ حتیٰ یحول علیه الحول." (۳۹)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: جب تک سونا بیس دینار کے برابر نہ ہو جائے اُس وقت اُس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی اور جب بیس دینار ہو جائے اور اُس ایک سال گذر جائے تو اُس پر نصف دینار زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

حضرت عمرو بن حزم سے مروی ہے:

" والذھب ما لم یبلغ قیمته مائتی درھم فلا صدقة فیه فاذا بلغ قیمته مائتی درھم ففیه ربع العشر." (۴۰)

سونے کی قیمت جب دوسو درہم نہ ہو جائے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں اور جب اس کی قیمت دوسو درہم ہو جائے تو اس میں چالیسواں حصہ واجب ہے۔

واضح رہے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک دینار کی قیمت دس درہم ہوتی تھی ایک دینار ایک مثقال کا ہوتا تھا۔ (۴۱)

۲- عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ یقول قال رسول ﷺ "ما من صاحب ذھب ولا فضة لایؤدی منھا حقھا إلا إذا کان یوم القیامة صُفِّحَت له صَفَائِحَ من نار فأحمی علیھا فی نار جھنم فیکویٰ بھاجنبُه و جبینُه و ظھرُه ، کلماء بردت أعیدت له فی یوم کان مقدارهٗ خمسین ألف سنة حتی یقضی بین العباد فیریٰ سبیله إمّا إلیٰ جنة ، وإما إلی نار." (۴۲)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چاندی اور سونے کے مالک نے اگر سونے اور چاندی کی زکوٰۃ نہ دی تو قیامت کے دن اس سونے چاندی کی تختیاں بنائی جائیں گی اور انہیں جہنم کی آگ میں گرم کرنے کے بعد زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کے ماتھے، پہلو اور پیٹھ کو داغا جائے گا اور جب وہ تختیاں ٹھنڈی ہو جائیں گی تو انہیں پھر گرم کیا جائے گا پچاس ہزار سال کے اس دن میں اُس کو یہی عذاب دیا جائے گا یہاں تک حساب وکتاب سے فراغت کے بعد اُس کے جنت یا جہنم میں داخل کئے جانے کا فیصلہ نہ کیا جائے۔

سونے اور چاندی میں سے کس سے نصاب زکوٰۃ کا تعین کیا جائے اس صورت میں کہ شارع سونے اور چاندی کا الگ الگ نصاب متعین کیا ہے۔ دورِ حاضر میں اس مسئلہ کے بارے میں دونوں آراء پائی جاتی ہیں جو علماء کرام چاندی سے نصابِ زکوٰۃ کی تحدید کرتے ہیں ان کی رائے میں اس کی دو وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ چاندی کے نصاب پر اجماع ہے اور مشہور اور صحیح سنّت سے ثابت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ چاندی کا نصاب فقرا کے حق میں زیادہ مفید ہے کہ اس سے مسلمانوں کی زیادہ بڑی تعداد پر زکوٰۃ لازم ہوتی ہے۔

جب کہ بعض دوسرے علماء کی رائے یہ ہے جن میں علامہ یوسف قرضاوی بھی شامل ہیں کہ آج کل نصابِ زکوٰۃ کا اندازہ سونے سے ہونا چاہیے اس لیے کہ چاندی کی قیمت میں عہدِ نبوت کے بعد بہت زیادہ فرق آ چکا ہے۔(۴۳) پہلی رائے زیادہ درست معلوم ہوتی ہے اسی لیے پاکستان میں مرکزی زکوٰۃ کونسل نے وصولی زکوٰۃ کے لیے چاندی کے نصاب کو متعین کیا ہے کیوں کہ فقراء کے حق میں یہ زیادہ فائدہ مند ہے۔

زیورات کی زکوٰۃ:

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں مثلاً یاقوت، زمرد، موتیوں، اور مرجان وغیرہ سے بنے ہوئے زیورات پر زکوٰۃ واجب نہیں۔(۴۴)

البتہ سونے اور چاندی کے زیورات کی زکوٰۃ کے بارہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ مطلقاً زیور میں زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ وہ نصاب کی حد تک پہنچ جائے اور امام شافعیؒ کا پہلا قول بھی یہی ہے۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ کا آخری قول اور امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ عورتوں کے اُن زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جن کا استعمال مباح ہو اور جن زیورات کا استعمال حرام ہے ان حضرات کے نزدیک بھی ان میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ اپنے مسلک کی تائید میں ان احادیث سے استدلا کرتے ہیں:

۱- عن زینب امرائة عبد الله قالت: "خطب رسول الله ﷺ فقال یا معشر النسآء تصدّقن و لو من حلیکن فانکن اکثر ُاهل جهنم یو م القیامة." (۴۵)

۲- عن عمر و بن شعیب عن ابیه عن جدّهٖ انّ إمرأتین أتتا رسول اللهﷺ و فی ایدیهما سوار ان من ذهب فقال لهما: "تؤدیان زکاتهٗ قالتا لا فقال لهما رسول الله ﷺ اتحبّان ان

یسور کما الله بسوارین من نار قالتا لا : قال: فأدّیا زکاته.''(۴۶)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے جدّ محترم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دو عورتیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت حاضر ہوئیں اور ان دونوں عورتوں نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اُن کڑوں کو دیکھ کر فرمایا: کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ ان دونوں خواتین نے جواب دیا نہیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے دو کڑے پہنائے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ ﷺ، تو پھر آپ نے فرمایا اس سونے کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔

۳- عن اُمّ سلمة قالت کنتُ البس اوضاحاً من ذهب فقلت یا رسو ل الله ﷺ أکنز هو فقال: ''ما بلغ ان تؤدی زکاته فزکّی فلیس بکنز.''(۴۷)

اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: کہ میں سونے کا ''وضح'' (جو ایک زیور کا نام ہے) پہنا کرتی تھی، ایک دن میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس زیور کا شمار ''کنز'' میں ہے؟ تو آپ نے فرمایا: چیز اتنی مقدار میں ہو اور اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس کا شمار ''جمع ''کنز'' میں نہیں آتا۔

حضرت اُمّ سلمہؓ کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ قرآن کریم نے ''مال جمع کرنے'' کے بارہ میں یہ وعید بیان فرمائی ہے کہ:

﴿ والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشر هم بعذاب الیم. یوم یحمیٰ علیها فی نار جهنم فتکویٰ بها جباههم و جنوبهم وظهورهم هذا ماکنزتم لأنفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون. ﴾(۴۸)

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُن کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے کہ اس مال کو جہنم کی آگ میں خوب گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان بخیلوں کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور کہا جائے گا یہ وہی ہے جو تم اپنے لئے جمع کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔

تو کیا سونے کا میرا یہ زیور بھی اس وعید میں داخل ہے جس کا جواب رسول اللہ ﷺ نے یہ دیا کہ جو مال بقدر نصاب ہو اور اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو وہ مال اس وعید میں داخل نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم تو ''دردناک عذاب'' کی خبر اس مال کے مالک کے بارہ میں دے رہا ہے جسے زکوٰۃ بغیر جمع کیا گیا ہو۔

۴- عن عائشة قالت دخلتُ علَيّ رسول الله ﷺ فرأى في يدى فتحات من ورق ، فقال : ما هذا يا عائشة ؟ فقلت : صنعتهن أتزين لک يا رسول اللهﷺ ! قال: "أتؤدين زكاتهن؟ قلت : لا! ا و ماشاء الله ، قال : هو حسبک من النار."(۴۹)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئی، تو انھوں نے میرے ہاتھوں میں چاندی کے فتخات (زیور) دیکھے تو پوچھا: اے عائشہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ یہ میں نے اس لئے پہنے ہیں کہ آپ کی خاطر زینت حاصل کروں۔ آپ نے پوچھا: کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں، جو کچھ اللہ نے چاہا۔ آپ نے فرمایا: یہ بات تیرے لئے آگ میں لے جانے کے لئے کافی ہے۔

یہ روایات احناف کے مسلک پر صراحۃً دلالت کرنے کے ساتھ قوی اور نہایت صحیح ہیں۔ جبکہ دوسری طرف کوئی ایسی روایت موجود نہیں جو زیورات کو زکوٰۃ سے مستثنٰی کرنے پر صراحۃً دلالت کرتی ہو، لہذا احناف کا مسلک زیادہ قوی اور مضبوط معلوم ہوتا ہے۔

جبکہ آئمہ ثلاثہ کے مسلک کو ثابت کرنے کے لئے استثناء کا ثابت ہونا بھی ضروری ہے اس لئے حضرت ابوسعید الخدریؓ کی حدیث:

"ليس فيما دون خمسة اؤاق من الورق صد قة وليس فيما دون خمسة ذود صدقة وليس فيما خمس اوسق صدقة."(۵۰)

چاندی کے پانچ اوقیے سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ اونٹوں سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ وسق سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

یہ روایت اپنے عموم کے ساتھ زیورات میں زکوٰۃ کے وجوب پر دال ہے بشرطیکہ وہ زیورات نصاب کی مقدار کو پہنچ گئے ہوں اور اس عموم سے زیورات کو خاص کرنے کے لئے لامحالہ ایک قوی و مضبوط دلیل کی ضرورت ہوگی۔ جبکہ ایسی کوئی صحیح وصریح دلیل ائمہ ثلاثہ کی طرف سے پیش نہیں کی جاتی۔

البتہ علامہ ابن جوزی نے "التحقیق" میں عافیۃ بن ایوب عن لیث بن سعد عی ابی الزبیر کے واسطے سے حضرت جابر کی ایک مرفوع حدیث ذکر کی ہے کہ "لیس فی الحلی زکوٰۃ" لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ (۵۱)

۲- مویشیوں کی زکوٰۃ:

تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ مویشی جن پر زکوٰۃ فرض ہے اُن سے مراد اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ اور بکریاں ہیں۔احناف میں سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

مویشوں پر زکوٰۃ کے وجوب کے لئے درج ذیل پانچ شرائط ہیں (۵۲):

۱- مویشی پالتو اور افزائش نسل کے لئے ہوں مثلاً اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ اور بکریاں۔ اور جو مویشی بار برداری، کام کاج (مثلاً گھوڑے، خچر اور گدھے) اور ہل چلانے وغیرہ کے لئے ہوں اُن پر زکوٰۃ فرض نہیں۔(۵۳)

۲- مویشی بالغ ہوں۔چنانچہ حِملان، (بکری کے بچوں)، فُصْلان، (اونٹ کے کے بچوں) اور عَجَاجِیْل، (بچھڑے اور بچھڑیوں) پر زکوٰۃ واجب نہیں۔(۵۴)

۳- مویشیوں کا نصاب پورا ہو

۴- نصاب کا مالک ہو جانے کے بعد حولان حول یعنی ایک سال کا گذرنا شرط ہے۔

۵- مویشی سائمہ ہوں ۔سائمہ اُن مویشیوں کو کہا جاتا ہے جو سال کا اکثر حصہ جنگل اور چراگاہوں میں مفت کی گھاس چرتے ہوں اور مالکان کو چارہ قیمۃً نہ خریدنا پڑے(۵۵) علوفہ نہ ہوں۔علوفہ اُن مویشیوں کو کہا جاتا ہے جو سال کا اکثر حصہ گھر پر چارہ کھاتے ہوں جنگل یا چراگاہوں میں چرنے کے لئے نہ بھیجے جاتے ہوں۔(۵٦)

فارمنگ کے کاروبار کے لئے جو مویشی پالے جاتے ہیں اُن کی زکوٰۃ جانوروں کی تعداد کے لحاظ سے نہیں ہوگی بلکہ اُن کا حکم سامان تجارت کی طرح ہوگا کہ اُن کی کل مالیت پر سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اونٹوں کا نصاب:

فقہائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کے پاس صرف چار اونٹ ہوں تو ان میں زکوٰۃ فرض نہیں ہاں اگر ان کا مالک کچھ دینا چاہے تو دے سکتا۔اور جب اونٹوں کی تعداد پانچ ہو جائے اور وہ سائمہ ہوں ان پر ایک بکری واجب ہے۔

چوبیس اور اس سے کم اونٹوں میں بکریاں ہیں اس طرح ہر پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے(پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ سے نو تک ایک بکری اور دس میں دو بکریاں پندرہ پر تین بکریاں اور بیس پر چار بکریاں

واجب ہوں گی) جب اونٹوں کی تعداد پچیس ہو جائے تو پچیس سے پینتیس تک ایک سالہ اونٹ یا اوونٹنی (ابن مخاض، بنت مخاض)واجب ہوگا۔(۵۷)

چھتیس سے پینتالیس(۳۶-۴۵) تک ایک دوسالہ اونٹ یا اونٹنی (ابن لبون یا بنت لبون) واجب ہوگا۔

چھیالیس سے ساٹھ(۴۶-۶۰) تک ایک حِقّہ (چار سالہ اونٹ یا اونٹنی) جونسل کشی کے قابل ہو واجب ہوگا۔

اکسٹھ سے پچھتر (۶۱-۷۵) تک ایک جِذعہ(پانچ سالہ اونٹ یا اونٹنی)واجب ہوگا۔

چھتر سے نوّے(۷۶-۹۰) تک دو ابن لبون یا بنت لبون واجب ہوں گے۔

اکیانوے سے ایک سو بیس(۹۱-۱۲۰) تک دو حقہ جونسل کشی کے لائق ہوں واجب ہوں گے۔(۵۸)

مویشیوں کی زکوٰۃ کے بارے میں اصل وہ روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے اُس مکتوب کا ذکر ہے جو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو مکتوب لکھا تھا اور پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وہ مکتوب حضرت انس کو لکھ کر دیا تھا جس کا ذکر باب اول میں ہو چکا ہے(۵۹)۔

ایک سو بیس (۱۲۰) تک اونٹوں کے نصاب کے بارے میں بیان کی گئی تمام تفصیل پر فقہاء کا اتفاق ہے البتہ ایک سو بیس کے بعد اختلاف ہے۔چنانچہ ایک سو اکیس سے ایک سو انتیس (۱۲۱-۱۲۹) تک جمہور فقہاء کے نزدیک تین حقے ہوں گے جبکہ احناف کے نزدیک دو حقے اور ایک بکری واجب ہوگی۔

امام شافعی کا مسلک:

امام شافعیؒ کے نزدیک ایک سو بیس تک دو حقے واجب ہوتے ہیں اور ایک بیس سے ایک بھی زائد ہو جائے تو فرض متغیر ہو جائے گا اور ایک سو اکیس پر تین بنت لبون واجب ہوں گے اور یہیں سے ان کے نزدیک حساب اربعینات (چالیس) اور خمسینات (پچاس) پر دائر ہو جائے گا۔یعنی اس عدد میں جتنی اربعینات ہوں اتنے بنت لبون اور جتنی خمسینات ہوں اتنے حقے واجب ہوں گے وعلیٰ ہذا القیاس ہر دس پر فریضہ تبدیل ہوگا۔

امام مالکؒ کا مسلک:

امام کا مسلک بھی شافعیہ کی طرح ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ اربعینات اور خمسینات کا یہ حساب امام شافعیؒ کے نزدیک ایک سو اکیس (۱۲۱) ہی سے شروع ہو جاتا ہے جبکہ امام مالکؒ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ حساب ایک سو تیس

سے شروع ہوگا۔(۶۰) یعنی ایک سوانتیس تک دو حقے واجب رہیں گے اور ایک سوتیس سے مذکورہ حساب شروع ہوگا اور امام شافعیؒ کے مسلک کی طرح ایک حقہ اور دو بنت لبون واجب ہوں گے۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے:

۱- **لقول النبی ﷺ : "فاذا زادت علیٰ عشرین ومائة ففی کل أربعین بنت لبنون ، وفی کل خمسین حقه."** (۶۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس قول کی وجہ سے: ''پس جب وہ ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو ہر چالیس پر ایک بنت لبون، اور ہر پچاس پر ایک حقّہ۔

۲- **لقول النبی ﷺ : "فاذا زادت علیٰ عشرین ومائة ، ففی کل أربعین بنت لبون.** ''(۶۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس قول کی وجہ سے: جب وہ ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو ہر چالیس پر ایک بنت لبون۔ (بطور زکوٰۃ نکالی جائے گی)

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک:

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ان کے برخلاف ہے کہ ایک سو بیس تک دو حقے واجب رہیں گے اور اس کے بعد استیناف ناقص ہوگا (اس کو استیناف ناقص اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بنت لبون نہیں آئی) یعنی ہر پانچ پر ایک بکری بڑھتی چلی جائے گی، چنانچہ ایک سو پچیس پر دو حقے اور ایک بکری، ایک تیس پر دو حقے اور دو بکریاں، ایک سو پینتیس پر دو حقے تین بکریاں، ایک سو چالیس پر دو حقے اور چار بکریاں اور جب ایک سو پینتالیس ہو جائیں گے تو دو حقے اور ایک ابن مخاض یا بنت مخاض واجب ہوگا۔

اور ایک پچاس پر تین حقے واجب ہوں گے اس کے بعد استیناف کامل ہوگا یعنی ہر پانچ پر تین حقوں کے ساتھ ایک بکری بڑھتی چلی جائے گی۔ ایک سو چھتر پر تین حقے اور ایک بنت مخاض واجب ہوگا اور ایک سو چھیاسی پر تین حقے اور ایک بنت لبون واجب ہوگا۔ ایک سو چھیانوے (۱۹۶) سے دوسو تک چار حقے واجب ہوں گے۔

دوسو کے بعد پھر نیا حساب شروع ہوگا جس طرح ایک سو پچاس (۱۵۰) کے بعد شروع ہوا تھا یعنی ۲۰۵ پر چار حقے اور ایک بکری، ۲۱۰ پر چار حقے اور دو بکریاں، ۲۲۰ پر چار حقے اور تین بکریاں، ۲۲۵ پر چار حقے اور اور ایک بنت مخاض، ۲۳۶ پر چار حقے اور ایک بنت مخاض واجب ہوگا الخ۔(۶۳)

بھیڑ اور بکریوں کا نصاب:

بھیڑ اور بکریاں کے نصابِ زکوٰۃ، وجوب زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے بارے میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ بھیڑ اور بکریوں کے جنگل میں چرنے والی بھیڑ اور بکریوں کی زکوٰۃ یہ ہے کہ جب چالیس سے ایک سو بیس تک ہوں تو ایک بکری جو ایک سال کی ہو زکوٰۃ کی مد میں دینا واجب ہو گی، پھر ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو دو سو تک دو بکریاں پھر جب دو سو سے زیادہ ہو جائیں تین سو تک تو ان میں تین بکریاں اس کے بعد ہر سو بکریوں پر ایک بکری ادا کرنا ہو گی۔

اور اگر کسی شخص کے پاس جنگل میں چرنے والی بکریاں چالیس سے کم ہوں تو ان پر زکوٰۃ فرض نہ ہو گی البتہ اگر ان کا مالک بطور نفلی صدقہ کے کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔(٦٤)

گائے اور بھینس کا نصاب:

آئمہ اربعہ اور جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ گائے، بیل اور بھینس اگر تیس سے کم ہوں تو ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں اور جب ان کی تعداد تیس ہو جائے اور وہ سائمہ ہوں۔ تو ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی ''تبیع یا تبیعة'' اور جب اُن کی تعداد چالیس ہو جائے تو ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی ''مُسِنٌّ، یا مُسِنّة'' واجب الادا ہو گی۔ اس کے بعد ہر تیس پر ایک تبیعہ اور ہر چالیس پر اس مُسِنہ واجب ہو گا۔ گائے اور بھینس کا ایک ہی حکم ہے ''والجاموس کالبقر.''(٦٥)

آئمہ ثلاثہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک چالیس سے زائد پر مزید کوئی زکوٰۃ نہیں جب تک ساٹھ کا عدد پورا نہ ہو جائے، جبکہ امام ابو حنیفہؒ سے اس بارے میں تین روایات ملتی ہیں:

١- امام ابو حنیفہؒ کی پہلی روایت یہ ہے کہ چالیس کے بعد کے کسور میں بھی اس کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہے۔ لہٰذا جب چالیس پر ایک گائے بھینس زیادہ ہو گی تو اس زائد پر مُسِنّة کا چالیسواں حصہ اور دو زائد ہو زائد ہونے پر مُسِنّة کا بیسواں حصہ اور تین زائد ہونے پر مُسِنّة کے دسویں حصہ کے تین چوتھائی واجب ہوں گے۔

٢- امام ابو حنیفہؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ چالیس سے زائد پر کچھ واجب نہ ہو گا یہاں تک کہ عدد پچاس تک پہنچ جائے پھر پچاس پر ایک مُسِنّة کا چوتھائی یا تبیعہ کے ایک تہائی کا اضافہ ہو جائے گا۔

٣- امام ابو حنیفہؒ کی تیسری روایت جمہور کے مطابق ہے(٦٦)۔

ظاہر یہ کے نزدیک گائے جب تک پچاس سے کم ہوں تو اُن پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب پچاس ہو جائیں تو ایک گائے واجب ہوگی۔

جبکہ حضرت سعید بن المسیبؒ اور امام زہریؒ کے نزدیک گائے کا نصاب اونٹ کی طرح پانچ سے شروع ہو جاتا ہے لہذا جب پانچ گائے ہونگی تو ایک بکری، دس پر دو بکریاں، پندرہ پر تین بکریاں، بیس پر چار بکریاں اور پچیس گائیوں پر ایک گائے واجب ہوگی۔ پھر جب چھہتر ہو جائیں تو دو گائے یہاں تک کہ عدد ایک سو بیس تک پہنچ جائے اور اس سے زائد ہونے پر ہر چالیس پر ایک گائے واجب ہوگی۔

ان حضرات کا استدلال حضرت جابر بن عبداللہؓ کے اثر سے ہے جو ان کے مسلک کے مطابق مروی ہے لیکن امام بیہقی نے اس اثر کو موقوف اور منقطع قرار دیا ہے۔

سنن بیہقی میں ہے: ''**وأما الاثر الذی أخبرنا ... عن جابر بن عبد الله فی کل خمس من البقر شاة وفی عشرٍ شاتان وفی خمس عشرة ثلاث شیاه وفی عشرین أربع شیاه قال الزهری : فإذا کانت خمسا وعشرین ففیها بقرة إلی خمس وسبعین ، فإذا زادت علیٰ خمس و سبعین ففیها بقرتان إلی عشرین ومائة ،فإذا زادت علیٰ عشرین ومائة ففی کل أربعین بقرةٍ بقرةٌ . فهذا حدیث موقوف و منقطع،وروی من وجه آخر عن الزهری منقطعًا.**''(٦٧)

رہا وہ اَثر جو ہمیں بتایا گیا: جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہر پانچ گائے میں ایک بکری اور دس گائے میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس گائے میں چار بکریاں زکوٰۃ بنتی ہے۔ زہری نے کہا ہے کہ جب گائے پچیس (۲۵) ہو جائیں تو اُن پر چھہتر (۷۵) کی تعداد ہونے تک، ایک گائے زکوٰۃ بنتی ہے، تو جب وہ (۷۵) سے زیادہ ہو جائیں تو اُن پر ایک سو بیس (۱۲۰) کی تعداد ہونے تک دو گائے زکوٰۃ بنتی ہے، پس جب وہ (۱۲۰) سے زیادہ ہو جائیں تو ہر چالیس پر ایک ایک گائے زکوٰۃ بنتی ہے۔ یہ حدیث موقوف و منقطع ہے اور زہری سے ایک اور طریقے سے منقطع روایت کی گئی ہے۔

جمہور فقہائے کرام نے حضرت معاذ بن جبل کی درج ذیل روایت سے استدلال کیا ہے:

عن معاذ بن جبل قال: ''بعثنی النبی ﷺ الی الیمن فأمرنی ان آخذ من کل ثلاثین بقرة تبیعاً او تبیعة ومن کل أربعین مُسنة.''(٦٨) معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے یمن کی طرف بھیجا، پس آپ نے مجھے حکم دیا کہ ہر چالیس گائیوں پر ایک مُسِنّہ وصول کروں۔

گھوڑوں کی زکوٰۃ:

گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بارے میں جمہور فقہاء کرام (یعنی حضرت سعید بن المسیب، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت مکحول، حضرت عطاء، امام شعبی، حضرت حسن بصری، حضرت ابن سیرین، حضرت سفیان ثوری، امام زہری، امام اسحاق، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)(۶۹) کا مسلک یہ ہے کہ جو گھوڑے تجارت کے لئے نہ ہوں اُن میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی یہ حضرات درج ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں:

۱- عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ: "ليس علىٰ المسلم صدقة فی عبده ولا فی فرسه وفی رواية قال ليس فی عبده صدقة الاّ صدقة الفطر."(۷۰)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان پر اُس کے غلام اور اُس کے گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا: کسی مسلمان پر اس کے غلام میں زکوٰۃ تو واجب نہیں البتہ صدقۂ فطر واجب ہے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: میں نے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی ہے، پس تم غلام کا صدقہ اس شکل میں ادا کرو کہ ہر (۴۰) درہم پر ایک درہم ادا کرو اور ایک سو نانوے پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، پس جب دو سو تک پہنچ جائیں تو اُن پر پانچ درہم صدقہ (فطر) نکالو۔

عن علی قال: قال رسول الله ﷺ "قد عفوت عن صدقة الخيل والرقيق فهاتوا صدقة الرقة من كل اربعين درهماً درهمٌ وليس فی تسعين و مائة شئ فاذا بلغت مائتين ففيها خمسة دراهم."(۷۱)

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے یہاں گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بارے میں تفصیل ہے:

۱- گھوڑے "سائمہ" ہوں یعنی سال کا اکثر حصہ جنگل اور چراگاہوں میں مفت چرتے ہوں مالکان کو چرائی کی قیمت ادا نہ کرنی پڑتی ہو۔

۲- "علوفہ" وہ جانور جن کی پرورش گھر پر ہوتی ہے۔

یہ دونوں قسم کے گھوڑے تجارت کے لئے ہوں گے یا نہیں۔ اگر تجارت کے لئے ہوں تو بالاتفاق زکوٰۃ

واجب ہے۔

''سائمہ'' یا ''علوفہ''، اگر تجارت کے لئے نہ ہوں تو یا بار برداری اور سواری کے لئے ہوں گے یا کسی اور مقصد کے لئے، اگر بار برداری اور سواری کے لئے ہوں تو اُن میں زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر کسی اور فائدے کے لئے ہوں اور ''علوفہ'' ہوں تب بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔

اور اگر ''سائمہ'' ہوں اور نر و مادہ دونوں ہوں اور عربی النسل ہوں تو مالک کو اختیار ہے چاہے ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار دیدے اور چاہے تو سب کی قیمت لگا کر ہر دوسو درہم پر پانچ درہم کے حساب سے یعنی قیمت کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کرے۔

گھوڑوں پر نفس وجوب تو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کی وجہ سے جس میں آپ نے فرمایا:

عن جابر قال : قال رسول اللهﷺ : "فی الخیل السائمة فی کل فرس دینارٌ ." (۷۲)

سنن دارقطنی میں ہے:

عن جابر قال : قال رسول اللهﷺ : "فی الخیل السائمة فی کل فرس دینارٌ تؤدیه." (۷۳)

امام دارقطنیؒ نے حضرت علیؓ کا معمول ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے''**فاخذ علیؓ من الفرس عشرة دراهم.**'' (۷۴) ہر سائمہ گھوڑے میں ایک دینار یا دس دراہم ہیں۔ اور تخییر حضرت عمر فاروق کے فرمان سے ثابت ہے جو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو لکھا تھا:

''**خَیِّر اربابها ان ادُّوا من کل فرس دینارًا و الا فقومها وخذ من کل مائتی درهم خمسة دراهم.**'' (۷۵)

امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ، امام زفرؒ، اور شمس الائمہ سرخسیؒ کا مسلک بھی یہ کہ وہ گھوڑے جو نسل کشی کے لئے ہوں اُن پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (۷۶)

یہ حضرات مذکورہ احادیث کے علاوہ درج ذیل حدیث اور آثار صحابہ سے بھی استدلال کرتے ہیں:

عن ابی هریرة یقول قال رسول ﷺ ... "الخیل ثلاثة: هی لرجل وزر وهی لرجل ستر وهی لرجل أجر، فاما التی هی له وزر فرجل ربطها ریاءً و فخراً و نوأ علیٰ اهل الاسلام فهی له وزر، واما التی هی له ستر فرجل ربطها فی سبیل الله ثم لم ینس حق الله فی ظهور ها و لارقابها

فهی لـه سترٌ، واما التی هی له اجرٌ فرجل ربطها فی سبیل الله لاهل الاسلام فی مرج و روضة فـما أكـلت من ذلک المرج أو الروضة من شئ إلا كتب له عدد ما أ كلت حسناتٌ ...الخ. "(۷۷)

نیز حضرت انس ﷛ فرماتے ہیں حضرت عمر فارق ؓ اپنے زمانہ میں گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی تھی اور ہر عربی گھوڑے سے دس دینار اور فارسی النسل گھوڑے سے پانچ درہم وصول فرمایا کرتے تھے۔

۱- عن انس بن مالک: ان عمرؓ كان يأخذ من الفرس عشرة و من البرذون خمسة."(۷۸)

۲- عن الزهری ان السائب بن یزید أخبرهٗ قال رایت ابی یُقوِّم الخیل ویدفع صدقتها الی عمر بن الخطاب."(۷۹)

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ وہ گھوڑوں کی قیمت لگا کر اُن کی زکوٰۃ حضرت عمر فاروق ؓ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

ابن عبد البر سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے یعلٰی بن اُمیۃ سے فرمایا کہ چالیس بکریوں میں سے ایک بکری زکوٰۃ کی مد میں وصول کریں اور گھوڑوں میں سے کچھ نہ لینا بلکہ ہر گھوڑے کے بدلے ایک دینار زکوٰۃ کی مد میں وصول کرنا۔

روی ابو عمر بن عبد البر باسناده: "أن عمر بن الخطاب قال لیعلیٰ بن اُمیة تاخذ من كل شاةٍ شاةٌ ولا تأخذ من الخیل شیئاً، خذ من كل فرس دیناراً، فضرب علی الخیل دیناراً دیناراً."(۸۰)

جمہور فقہاء کی طرف سے پیش کردہ حدیث "**لیس علی المسلم فی عبدہٖ الخ**" میں گھوڑے سے مراد غازیوں کے گھوڑے یا مطلقاً سواری کے لئے پالے گھوڑے مراد ہیں کیونکہ اُن میں زکوٰۃ نہیں۔(۸۱)

☆ واضح رہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کے خلاف کوئی نیا فیصل نہیں دیا بلکہ اصل صورتِ حال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عام طور پر گھوڑے سواری ہی کے لئے ہوتے تھے اس لئے نسل کشی کے گھوڑوں کا حکم اس دور میں مشہور نہ ہوسکا۔ حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد میں چونکہ اس کی بہت سی نظیریں پیش آئیں اس لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ ہی کے حکم کو جو اُن سمیت اب تک تھوڑے لوگوں کو معلوم تھا اعلان کر

کے نافذ فرمادیا۔

۳- تجارتی مال کی زکوٰۃ:

اموالِ تجارت میں نصاب کا تخمینہ دراہم ودنانیر کی قیمت سے ہوگا۔ جب تک ان کی قیمت دوسو درہم چاندی یا بیس مثقال سونے تک نہیں پہنچ جاتی ان میں کچھ واجب نہ ہوگا اور جب ان کی قیمت سونے اور چاندی کے نصاب کے برابر ہوجائے گی تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جمہور فقہائے کرام کا یہی مسلک ہے۔ البتہ اصحاب ظواہر کا مسلک یہ ہے کہ اموالِ تجارت میں بالکل زکوٰۃ واجب نہیں، ان کا کہنا ہے کہ زکوٰۃ کے وجوب کا علم نص سے ہے اور نص درہم ودنانیر اور سوائم کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ اور اگر ان کے علاوہ کسی شے میں زکوٰۃ واجب ہوتو ان پر قیاس کرتے ہوئے واجب ہوگی اور قیاس حجت نہیں خصوصاً مقادیر کے باب میں۔(۸۲)

جمہور فقہائے کرام حضرت سمرۃ بن جندبؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

عن سمرة بن جندب: ''انّ رسول الله ﷺ كان يامرنا ان نخرج الصدقة من الذى نُعِدُّ للبيع.''(۸۳)

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ تجارت کے لئے جو مال تیار کریں اس کی زکوٰۃ ادا کیا کریں۔

علاوہ ازیں اصل وجوب تو عقل سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ نعمت مال کا شکرانہ ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے مال پر قدرت بخشی ہے، اس کے لئے شکر کی یہی صورت ہے کہ عاجز ودرماندہ محتاج ومساکین کی اعانت کرے۔ شریعت نے تو مقدار واجب کا تعین کیا ہے۔ لہٰذا دراہم ودنانیر اور سوائم کی طرح اموال تجارت پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

شیئرز اور سرٹیفکیٹس کی زکوٰۃ:

دورِ حاضر میں کرنسی کی شکلیں بدل گئی ہیں اس لیے کرنسی کی تبدیل شدہ شکل خواہ وہ شیئرز، سرٹیفکیٹس یا بانڈز کی ہو اس پر کرنسی کی زکوٰۃ کا حکم آئے گا۔

اتجه رأس المال في الوقت الحاضر لتشغيله في نواحٍ من الاستثمارات غير الأرض والتجارة، وذلک عن طريق إقامة المباني أو العمارات بقصدالكراء، والمصانع المعدة

للإنتاج، ووسائل النقل من طائرات وبواخر (سفن) وسيارات، ومزارع الأبقار والدواجن وتشترك كلها في صفة واحدة هي أنها لاتجب الزكاة في عينها وإنما في ريعها وغلتها أو أرباحها.

وبالرغم من أن جمهور فقهائنا لم ينصوا على وجوب الزكاة في هذا النوع من المستغلات، وقالوا: لازكاة في دور السكنى وأثاث المنزل وأدوات الحرفة ودواب الركوب، كما ذكرنا سابقاً، فإني أرى ضرورة الزكاة فيها، لوجود علة وجوب الزكاة فيها وهي النماء، والحكم يدور مع علته وجوداً وعدماً، ولتوفر حكمة تشريع الزكاة فيها أيضاً وهي التزكية والتطهير لأرباب المال أنفسهم، ومواساة المحتاجين، والمساهمة في القضاء على الفقر الذي يشغل أنظمة العالم الحاضرة. (۸۴)

ترجمہ: کیا بلڈنگز، فیکٹریز، مال کمانے کے ذرائع اور آزاد قسم کے پیشوں پر زکوٰۃ واجب ہے؟

دورِ حاضر میں سرمائے کو زمین اور تجارت کے علاوہ مختلف قسم کی سرمایہ کاریوں میں لگایا جاتا ہے۔ایسی سرمایہ کاریوں میں کرائے پر دینے کی غرض سے پلازے اور عمارتیں بنائی جاتی ہیں یا پیداوار حاصل کرنے کے لیے کارخانے لگائے جاتے ہیں یا ہوائی اور بحری جہازوں، نقل وحمل کی گاڑیوں نیز ڈیری اور پولٹری فارموں (وغیرہ) پر سرمایہ لگایا جاتا ہے۔سرمایہ داری کی ان تمام مدوں میں ایک قدر مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ خود ان پر زکوٰۃ واجب نہیں رہتی بلکہ ان کی آمدنی، منافع اور فوائد پر واجب ہوتی ہے۔

فقہاء کی اکثریت نے اس قسم کے ترقی پذیر ومنافع بخش سرمایوں پر زکوٰۃ کا تعین نہیں کیا۔فقہاء کہتے ہیں کہ رہائشی گھروں، گھریلو ساز وسامان، پیشہ ورانہ آلات اور سواری کے جانوروں پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔(اس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں)

میری اپنی رائے ہے کہ اس قسم کے ترقی پذیر ووسعت انگیز منافع بخش سرمایوں پر زکوٰۃ ہونی چاہیے کیونکہ ان سرمایوں میں ایک ایسی علّت موجود ہے جو ان پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا موجب ہے اور وہ علّت ہے ''نماء''، یعنی ان اموال اور ان سرمایوں کی وسعت پذیری، ترقی، بڑھوتری اور نشو ونما کی صلاحیت پر واجبِ زکوٰۃ کی علّت موجود ہے۔زکوٰۃ کے وجوب کا حکم ان اموال اور سرمایوں میں ترقی پذیری، بڑھوتری اور نشو ونما کی صلاحیت کی علّت کے ہونے یا نہ ہونے پر موقوف ہے۔علاوہ ازیں ان اموال وسرمایوں میں زکوٰۃ کی شروعیت کی حکمت بھی بدرجہ اتم

موجود ہے اور وہ سرمایہ داروں کا (مالی آلائشوں سے) تزکیہ تطہیر محتاجوں کی غم خواری اور موجودہ زمانے میں دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لینی والی غربت کو ختم کرنے میں حصّہ ڈالنا ہے۔

۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء کی دوسری مسلم سکالرز کانفرنس اور دوسری اسلامک ریسرچ کانفرنس نے تجویز دی ہے کہ وہ ترقی پذیر و وسعت انگیز اموال اور سرمایے جن پر زکوٰۃ واجب نہ کرنے کی کوئی (شرعی) نقص اور فقہی رائے نہیں ہے، ان پر زکوٰۃ واجب ہونے کا حکم اس طرح ہے کہ عصر حاضر میں تجارت وصنعت کی جدید صورتوں میں نصابِ زکوٰۃ کا مسئلہ اس طرح سے ہے:

جو صنعتیں بڑی بھاری رقوم سے قائم کی جاتی ہیں، اُن کی مشینری اور آمدنی پر زکوٰۃ وصول کی جائے تو یہ شریعت کے مطابق ہوگا اسی طرح تجارتی عمارتیں، پلازے وغیرہ کی سالانہ آمدنی پر زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ ان عمارتوں کے اثاثہ جات پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

۴- زراعت اور باغات کی آمدنی پر عشر دینے کا حکم:

زمین کی پیداوار جس میں جملہ اجناس، پھل اور سبزیاں سب ہی شامل ہیں کی زکوٰۃ کو عشر کہا جاتا ہے۔ زمین اگر بارانی ہو یعنی بارش، نہر یا دریائی پانی سے مفت سیراب ہوتی ہو تو پیدوار اُٹھنے کے وقت خواہ پیداوار کم ہو یا زیادہ تمام پیداوار کا عشر (دسواں حصہ) اور اگر اس کی پیداوار پر پانی کے اخرجات آتے ہوں مثلاً، نہری پانی خرید کر، ٹیوب ویل وغیرہ یا کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہو تو اس کی پیدوار کا نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) یا اُس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔

رسول ﷺ کا ارشادگرامی ہے''**فیما سقتِ السمآءُ والعیون او کان عثریًا العشرُ وما سُقِی بالنضح نصف العشر.**''(۸۵)

زمین اگر آسمان یا چشموں کے پانی سے سیراب ہو یا خود سرسبز وشاداب ہو تو اس کی پیدوار میں دسواں حصہ واجب ہوتا ہے اور جو زمین بیلوں وغیرہ کے ذریعہ سے سیراب ہو اُس کی پیدوار میں بیسواں حصہ دینا واجب ہوگا۔

اور اخرجات (مثلاً ٹریکٹروں کے ذریعہ ہل چلانا، کیمیائی کھاد ڈالنا اور گوڈی وغیرہ کرانا کیڑے مار ادویات، بیج ڈالنا، فصل کی کٹائی کی مزدوری، تھریشر وغیرہ سے گہائی) کو وضع نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ جتنی بھی پیداوار ہوگی

اخراجات کومنہا کیے بغیر اُس کا عشر یا نصف عشر صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے۔

چنانچہ مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں ''عشر یا نصف عشر پوری پیداوار میں نکالا جائے۔ بونے، کاٹنے اور حفاظت کرنے، بیلوں اور مزدوروں وغیرہ کے جو اخراجات ہیں وہ ادائے عشر کے بعد نکالے جائیں۔(۸۶)

فتاویٰ عالمگیری، میں ہے''**ولا تحسب اجرة العمال و نفقة البقر و کری الانهار و اجرة الحافظ وغیرذلک فیجب اخراج الواجب من جمیع مااخرجته الارض عشرا او نصفا کذا فی البحر.**''(۸۷)

واضح رہے مویشیوں کے چارے، سبزیوں، پھلوں کے باغات، کپاس، ترکاریوں وغیرہ تمام پیدوار پر عشر واجب ہوتا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ زرعی زمین کی کل پیداوار پر جملہ اخراجات کو منہا کیے بغیر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

شریعت اسلامیہ نے اضافی اخراجات (نہری پانی خریداری، ٹیوب ویل اور کیڑے مار ادویات وغیرہ کے اخراجات) کو مدنظر رکھتے ہوئے عشر (دسویں حصہ) سے نصف عشر (بیسویں حصہ) کا نصاب مقرر کیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اضافی اخراجات کی وجہ سے زمین کی پیدواری صلاحیت میں یقیناً اضافہ ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے پیدوار کئی گنا زیادہ حاصل کی جاتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ سورۃ واقعہ کی آیات جن کا ترجمہ درج ذیل ہے بھی پیش نظر رہیں:

ترجمہ:''اچھا پھر یہ تو بتلاؤ کہ تم جو کچھ بیج وغیرہ بوتے ہو اس کو کیا تم اگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟، اگر ہم چاہیں تو اس پیداوار کو چورا چورا کر دیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ گے کہ ہائے اب کے تو ہم مفت تاوان میں پھنس گئے بلکہ ہم ہیں ہی بدنصیب، اچھا بھلا یہ تو بتلاؤ جو پانی تم پیتے ہو کیا اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں؟، اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر ڈالیں پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے۔''(۸۸)

ترمذی شریف کی روایت ہے:

''**لیس فیما دون خمسة ذود صدقة ولیس فیما دون خمسة اواق صدقة ولیس فیما دون خمسة اوسق صدقة.**''(۸۹) یعنی پانچ اونٹوں سے کم پر زکوۃ فرض نہیں ہوتی اور پانچ اوقیہ (چاندی جو دوسو درہم کے برابر ہوتے ہیں) سے کم چاندی ہو اور زمین کی پیدار اگر پانچ وسق (۹۰) سے کم ہو تو اس پر زکوۃ

فرض نہ ہوگی۔

اس حدیث کے بنا پر امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ زرعی پیداوار کا نصاب پانچ وسق یعنی تین سو صاع ہے جس کے تقریباً پچیس من بنتے ہیں، اور اس سے کم مقدار پر ان حضرات کے نزدیک عُشر واجب نہیں۔

لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زرعی پیداوار کا کوئی نصاب مقرر نہیں بلکہ اس کی ہر قلیل و کثیر مقدار پر عُشر واجب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے سورۃ بقرۃ کی آیت، وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرضِ. (۹۱) اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد **ما اخرجت الارض ففیه العشر.** (۹۲) کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ عشری زمین کی جملہ پیداوار کم ہو یا زیادہ اس پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔

ترجمہ: اے ایمان والو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں ان میں سے (اللہ کی راہ) میں خرچ کرو، البقرۃ: ۲۶۷۔

عشر کے وجوب کے بارے میں سورۃ الانعام کی آیت: ۱۴۱، وَاٰتُوْ حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ صریح اور واضح ہے

۔

ترجمہ: جب یہ چیزیں پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ اور جس دن (پھل توڑو اور کھیتی) کاٹو تو اللہ کا حق بھی اس میں سے ادا کرو اور بے جا نہ اُڑانا کہ اللہ بیجا اُڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا

اس کے علاوہ صحاح کی معروف حدیث بھی امام ابو حنیفہؒ کا مستدل ہے:

عن عبد الله بن عمر عن النبی ﷺ قال ''فیما سقت السمآءُ والعیون او کا ن عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر.'' (۹۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چیز کو آسمان یعنی بارش یا قدرتی چشموں نے سیراب کیا ہو یا خود زمین سرسبز و شاداب ہو تو اس میں دسواں حصہ واجب ہوتا ہے اور جس زمین کو بیلوں یا اونٹوں کے ذریعہ کنویں سے سیراب کیا گیا ہو تو اُس کی پیداوار میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۹۴)، حضرت مجاہدؒ (۹۵)، ابراہیم نخعیؒ (۹۶) اور امام زہریؒ (۹۷) کا مسلک بھی یہی ہے کہ زمین کی ہر قلیل و کثیر پیداوار پر عُشر واجب ہے۔ جس سے امام ابو حنیفہؒ کے موقف کی مزید توثیق ہوتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے موقف کی مزید توثیق ان احادیث سے بھی ہوتی ہے:

۱- عن موسیٰ ابن طلحة قال عندنا کتاب معاذ ابن جبل عن النبی ﷺ انه قال "انمآ امرهٔ ان یاخذ الصدقة من الحنطة والشعیر و الزبیب والتمر."(۹۸)

حضرت موسیٰ تابعی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس معاذ بن جبلؓ کا وہ مکتوب گرامی ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اُن کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ حضرت معاذؓ نے بیان کیا کہ "نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں گیہوں، جو، انگور اور کھجوروں کی زکوٰۃ وصول کروں۔

۲- عن عتاب بن اسید ان النبی ﷺ قال: "فی زکاة الکروم انها تخرص کما تخرص النخل ثم تؤدی زکاته زبیباً کما تؤدی زکاة النخل تمرا."(۹۹)

حضرت عتاب بن اسیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انگور کی زکوٰۃ کے بارہ میں فرمایا: انگوروں کا اسی طرح اندازہ کیا جائے جیسے کھجوروں کا اندازہ کیا جاتا ہے پھر اُن انگوروں کی زکوٰۃ اُس وقت ادا کی جائے جب وہ خشک ہوجائیں جس طرح کھجوروں کی زکوٰۃ خشک ہوجانے کے بعد دی جاتی ہے۔

شہد کی زکوٰۃ:

شہد کی زکوٰۃ کے بارہ میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ شہد میں زکوٰۃ واجب نہیں جبکہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہے خواہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ۔ بشرطیکہ کہ عشری زمین میں سے نکلا ہو۔

عن ابن عمر قال : "قال رسول الله ﷺ فی العسل فی کل عشرة ازُقٍّ زقٌّ. "(۱۰۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہد کی زکوٰۃ کے بارہ میں فرمایا: ہر دس مشک میں ایک مشکیزہ بطور زکوٰۃ واجب ہے۔

اس حدیث کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ، صاحبینؒ، امام شافعیؒ کا قول قدیم، امام احمد بن حنبلؒ، امام مکحولؒ، امام زہریؒ، امام اوزاعیؒ، امام اسحاقؒ اور مالکیہ میں سے ابن وہبؒ کا مسلک یہ ہے کہ شہد میں عشر واجب ہے۔

جبکہ حضرات شوافع اور مالکیہ کے علاوہ ابن ابی لیلیٰؒ، حضرت سفیان ثوریؒ، امام ابوثورؒ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا مسلک یہ ہے کہ شہد میں عُشر واجب نہیں۔(۱۰۱)

امام ابوحنیفہؒ وغیرہم مذکورہ بالا حدیث کے علاوہ درج ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں:

۱- **عن ابی سیارۃ المتعی قال : ''قلت یا رسول اللہ ﷺ إن لی نحلاً** (شہد کی مکھیاں) **قال: أدّ العشر قلت: یا رسول اللہ ﷺ إحمھا لی جبلھا فحماھا لی.''** (۱۰۲) اُن کی درخواست پر رسول اللہ نے اُن کے لئے ایک وادی انہیں الاٹ کر دی ہے۔

۲- **عن عبد اللہ بن عمر و بن العاصؓ ''عن النبیﷺ انہ اخذ من العسل العشر.''**(۱۰۳)

۳- **عن ابی ھریرۃ قال: ''کتب رسول اللہ ﷺ إلی أھل یمن أن یؤخذ من العسل العشر.''**(۱۰۴)

نیز حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ شہد پر عُشر وصول کیا کرتے تھے، اس سے بھی وجوب عشر کی احادیث کی تائید ہوتی ہے جبکہ حضرات شوافع اور مالکیہ کے پاس عدم وجوب عشر پر کوئی مسند حدیث موجود نہیں۔(۱۰۵)

دفینہ کی زکوٰۃ:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسو ل اللہ ﷺ ''العجمآء جُرحھا جُبارٌ والبئر جبارٌ و المعدن جبارٌ وفی الرِّکاز الخمس.'' (۱۰۶) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر جانور کسی کو زخمی کر دے تو معاف ہے اگر کنواں کھدوانے میں کوئی مر جائے تو معاف ہے اگر کان کھدوانے میں کوئی مر جائے تو معاف ہے اور رکاز میں پانچواں حصہ واجب ہوتا ہے۔

''رکاز'' سے مراد معدن یعنی معدنی کانیں یا دفینے ہیں اس میں مدفون خزانہ بھی بالاتفاق داخل ہے چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک موقع پر ''رکاز'' کے اسی معنیٰ کی وضاحت فرمائی ہے(۱۰۷) اس کے علاوہ بخاری میں ہے''**وقال بعض الناس المعدن رکازٌ مثل دفن الجاھلیۃ.**''(۱۰۸)

چنانچہ اگر کسی شخص کو کہیں سے مدفون خزانہ ہاتھ آ جائے تو بالاتفاق اُس کا پانچواں حصہ بیت المال کو دینا واجب ہے۔ البتہ فقہاء کے درمیان اس بات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ''رکاز'' کے لفظ میں معدن'' کان'' شامل ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک ''رکاز'' کے لفظ میں معدن شامل ہے لہذا حدیث کے جملہ''**وفی الرِّکاز الخمس**'' سے جہاں دفینۂ جاہلیت پر خمس کا ثبوت ہوگا وہیں اس سے معدن پر بھی خمس کا وجوب ثابت ہوگا۔

لیکن شوافع کہتے ہیں کہ رکاز میں معدن شامل نہیں لہذا اس پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں وہ مذکورہ حدیث کے جملہ''**المعدن جبارٌ**'' کے یہی معنیٰ بیان کرتے ہیں کہ معدن پر کچھ واجب نہیں۔

اس معاملہ میں احناف کا مسلک لغت، روایت اور درایت تینوں کے اعتبار سے راجح معلوم ہوتا ہے۔

لغت کے اعتبار سے:

علامہ ابن منظور افریقیؒ نے لسان العرب میں (۱۰۹) ابن الاعرابی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ لفظ ''رکاز'' کا اطلاق مدفون خزانہ کے علاوہ معدن پر بھی ہوتا ہے اور علامہ ابن الاثیر جزریؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: '' **المعدن والرکاز واحد.** ''(۱۱۰)

نیز امام ابوعبید قاسم بن سلام جن کا شمار بڑے محدثین میں ہوتا ہے وہ لغت کے بھی امام ہیں، انہوں نے بھی یہی قول کو اختیار کرتے ہوئے معدن پر خمس کو واجب قرار دیا۔ (۱۱۱)

روایت کے اعتبار سے:

روایۃً اس لئے راجح معلوم ہوتا ہے اول تو حدیث میں '' **وفی الرِّکاز الخمس** '' کے جملہ سے احناف کے مسلک کی تائید ہو رہی ہے، دوسرے امام ابوعبید قاسم بن سلام نے ایک روایت نقل کی ہے:

عن عبد اللہ بن عمر: ''ان النبی ﷺ سئل عن المال یوجد فی الخرب العادی فقال فیه وفی الرکاز الخمس.'' (۱۱۲)

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے اُس مال کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی ویرانے میں پایا جائے، تو آپ نے فرمایا: اُس میں اور رکاز میں پانچواں حصّہ نکالا جائے گا۔

اس حدیث میں رکاز سے مراد سوائے معدن کے اور کچھ نہیں ہوسکتا، کیونکہ مدفون خزانہ کا ذکر ''فیہ'' میں آچکا ہے اور رکاز کا اس پر عطف کیا گیا ہے اور عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ اور خود امام ابوعبید اس مذکورہ بالا حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں '' **فقد تبین لنا الآن ان الرکاز سوی المال المدفون.**''(۱۱۳)

نیز علامہ عینی نے امام یوسفؒ کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہؓ کی نقل کی ہے:

قال رسول اللہ ﷺ: ''فی الرکاز الخمس قیل؟ وما الرکاز یا رسول اللہ ﷺ؟ قال: الذهب الذی خلقه اللہ تعالیٰ فی الارض یوم خلقت.''(۱۱۴)

تحقیق سے یہ امر واضح ہوا کہ زکوٰۃ اسلام کا تیسرا بنیادی رکن اور نماز کے بعد سب سے اہم فریضہ

ہے۔شریعت اسلامی میں زکوٰۃ کی ایک مسلّمہ حیثیت ہمیشہ رہی ہے اور زکوٰۃ کو اسلامی ریاست کا اجتماعی فریضہ شمار کیا جاتا رہا ہے اس کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہے۔زکوٰۃ صرف اُسی مال سے وصول کی جاتی ہے جو نصاب کے مطابق ہو، زکوٰۃ کا کم از کم نصاب ساڑھے باون (52-1/2) تولے چاندی اور ساڑھے سات تولے (7-1/2) تولے سونا ہے جو بھی مال اس مالیت کا حامل ہو اور اس پر ایک سال گزر چکا ہو، زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔شریعت نے سونا، چاندی، پالتو جانور، تجارتی مال،شیئرز، سرٹیفکیٹس، بانڈز پر اور تجارتی عمارتوں،صنعتوں، زراعت و باغبانی کی آمدنی پر زکوٰۃ کا نصاب مقرر کیا ہے۔جس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) ابنِ منظور الافریقی،لسان العرب،۱:۶۱۷۔نشر الادب الحوزہ،قم ۱۹۸۵ء

(۲) سعدی ابوحبیب،القاموس الفقهی ،ص:۳۵۳،ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ،کراچی۔

(۳) قطب الدین خان،علامہ محمد،مظاہر حق (جدید)،ج-۲،ص۱۷۷،دارالاشاعت کراچی۔

(۴) کاسانی،ابوبکر علاء الدین بن مسعود حنفی،بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ،۲:۲۹۔ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی ۱۴۰۰ھ

(۵) احمد بن حنبل،المسند، مسند ابی بکر الصدیق،رقم:۶۸۔دارالکتب العلمیہ ،بیروت ۱۹۹۳ء

(۶) کاسانی،بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ،۲:۲۹۔

(۷) ابن ہمام،فتح القدیر،کتاب الزکوۃ،۱:۴۸۷-۴۸۸۔مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ،سن ندارد

(۸) تفصیل کے لئے دیکھئے:

جصاص، احکام القرآن ،۳:۱۵۶۔سہیل اکیڈمی،لاہور

کاسانی،بدائع الصنائع ،فصل و اما بیان من له المطالبه، باداء الواجب فی السوائم والاموال الظاهرة،۲:۳۵۔

(۹) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

نسفی،کنز الدقائق ، باب العاشر ،ص:۶۱۔میر محمد کتب خانہ،آرام باغ،کراچی،سن ندارد

مرغینانی، باب فیمن یمُرّ علی العاشر ،۱:۱۹۶۔مکتبہ شرکت علمیہ،ملتان،سن ندارد

ابن نُجیم،البحر الرائق ، باب العاشر ،۲:۴۰۲۔مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ،سن ندارد

زیلعی،تبیین الحقائق، باب العاشر ،۱:۲۸۲۔مکتبہ امدادیہ،ملتان

کاسانی،بدائع الصنائع ،۲:۳۸۔

(۱۰) مرغینانی،هدایه، باب فیمن یمُرّ علی العاشر ،۱:۱۹۸۔

(۱۱) مالک بن انسؒ،المؤطأ، کتاب الزکوٰة، باب الزکوٰة فی العین من الذهب و الورق ،۱:۲۱۱، دار الحدیث قاهره،۱۹۹۳ء۔

(۱۲) ابن ابی شیبہ، حافظ عبداللہ بن محمد، مصنف ابن ابی شیبہ، باب ما قالوا فی العطاء اذا اخذ ،۳:۱۸۴۔ دارالفکر، بیروت،۱۹۹۶ء

(۱۳) مالک بن انسؒ،المؤطا،کتاب الزکوٰۃ، باب الزکاۃ فی العین من الذھب و الورق ،۱:۲۱۱،۔

(۱۴) ابن ابی شیبہ،مصنف ابن ابی شیبہ، باب ما قالوا فی العطاء اذا اخذ ،۳:۱۸۴۔دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء

(۱۵) ایضاً،۳:۱۸۵۔

(۱۶) صنعانی،مصنف عبد الرزاق ، با ب لاصدقۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول،۴:۸۷،رقم:۷۰۳۷۔ المکتب الاسلامی، بیروت،۱۹۸۲ء

(۱۷) ابن ابی شیبہ، مصنف ابن ابی شیبہ، باب ما قالوا فی العطاء اذا اخذ،۳:۱۸۵۔

(۱۸) شیبانی،محمد بن الحسن،الموطأ، کتاب الزکوٰۃ ، باب زکوٰۃ الحلی،ص:۱۷۵،قدیمی کتب خانہ کراچی۔

(۱۹) یتیم سے یہاں مراد وہ بچہ ہے جو ابھی تک نابالغ ہے چاہے اُس کا والد زندہ ہو یا نہ ہو، دیکھئے: بنوری،سید محمد یوسف بن محمد زکریا،معارف السنن،۵:۲۳۶۔

(۲۰) ترمذی، الجامع ، کتاب الزکوٰۃ ، باب ماجاء فی زکوٰۃ مال الیتیم ،رقم:۵۸۰۔ایچ ایم سعید، کراچی سن ندارد

(۲۱) مالک بن انسؒ،الموطأ،کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ اموال الیتامیٰ والتجارۃ لھم فیھا،رقم:۵۲۳۔ بیہقی ،ابوبکر احمد بن الحسین بن علی،السنن الکبریٰ ، کتاب الزکوٰۃ، باب من تجب علیہ الصدقۃ ، رقم:۷۳۴۵۔

(۲۲) تفصیل کے لئے دیکھئے:

ابو داؤد، السنن، کتاب الحدود، باب فی المجنون یسرق أو یصیب حداً ،رقم:۳۸۲۲۔ دارالکتب العلمیۃ، بیروت،۱۹۹۶ء

نسائی، السنن،کتاب الطلاق، باب من لایقع طلاقہ من الازواج،رقم:۳۳۷۸۔

ابن ماجہ، سنن ، کتاب الطلاق، باب طلاق المعتوہ والصغیر والنائم ،رقم:۲۰۳۱۔ دارالمعرفہ، بیروت۱۹۹۶ء،ترمذی، الجامع ، کتاب الزکوٰۃ ، باب ماجاء فی زکوٰۃ الحلی،رقم:۵۷۶۔

احمد بن حنبل،المسند ، کتاب مسند الانصار، باب حدیث السیدۃ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا، رقم:۲۳۵۵۳۔

دارمی،،السنن ،کتاب الحدود، باب رفع القلم عن ثلاث، قدیمی کتب خانہ،کراچی،سن ندارد

(۲۳) بیہقی،السُّنن الکُبریٰ ، کتاب الزکوٰۃ، باب من تجب علیه الصدقة،رقم:۷۳۴۷۔دارالکتب العلمیۃ،بیروت۱۹۹۴ء

۲-ابوعبیدالقاسم بن سلام،کتاب الاموال،ص:۴۵۲۔دارالفکر،بیروت،۱۹۸۱ء

(۲۴) التوبه:۱۰۳.

(۲۵) التوبه: ۶۰۔

(۲۶) قرطبی،الجامع لاحکام القرآن،۴:۱۵۵-۱۵۶۔ دارالکتب العلمیۃ،بیروت،۱۹۸۸ء

۲- جصاص، احکام القرآن،۳:۱۵۴-۱۵۵۔سہیل اکیڈمی،لاہور

(۲۷) ابن رشد ، **بدایةُ المجتهد و نهایةُالمقُتصِد**، ۳ : ۶۷. دارالکتب العلمیۃ،بیروت،۱۹۸۹ء

(۲۹) التوبه:۱۰۳.

(۳۰) التوبه: ۶۰.

(۳۱) جصاص، احکام القرآن،۳: ۱۵۶.

(۳۲) ایضاً

(۳۳) زحیلی،الفقة الاسلامی و ادلته،۲:۷۵۹۔المکتبہ الحقانیہ،پشاور،سن ندارد

(۳۴) ترمذی، الجامع ، کتاب الزکوٰۃ، باب ما جاء فی زکوٰۃ الذهب و الورق:رقم:۵۶۳۔

(۳۵) مالک،الموطأ، کتاب الزکوٰۃ، باب الزکاۃ فی العین من الذهب والورق، ۱:۲۱۲

(۳۶) مفتی محمد شفیع،جواہرالفقہ ،ص:۴۲۸۔مکتبہ دارالعلوم کراچی،۱۹۷۵ء

(۳۷) زحیلی،الفقه الاسلامی و اَدِلَّتُهٗ ،۲:۷۵۹۔

(۳۸) کاسانی،بد ائع الصنائع ،۲:۱۸۔ ایچ ایم سعید کمپنی،کراچی،۱۴۰۰ھ

(۳۹) ابوداود، السنن کتاب الزکوٰۃ، باب فی زکوٰۃ السائمة،رقم:۱۳۴۲ ۔دارالکتب العلمیۃ،بیروت،۱۹۹۶ء

(۴۰) کاسانی،بد ائع الصنائع،۲:۱۸۔

(۴۱) ایضاً

(۴۲) مسلم، الجامع الصحیح،کتاب الزکاۃ ،باب إثم مانع الزکوٰۃ ،رقم:۱۶۴۷۔دارالکتب العلمیۃ،بیروت، سن ندارد

بیہقی، السُّنن الکُبریٰ ، باب زکاۃ الذهب،۴:۲۳۱،رقم:۷۵۳۳۔

(۴۳) فقه الزكواة۔القرضاوی، یوسف ڈاکٹر، حصہ دوم (ترجمہ ساجد الرحمٰن صدیقی) البدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور

(۴۴) سید سابق، فقه السنه، ص:۳۴۱۔ دارالکتاب العربی، بیروت

(۴۵) ترمذی، الجامع، كتاب الزكوٰة، باب ماجاء فی زكوٰة الحلی، رقم:۵۷۵۔

(۴۶) ترمذی، رقم:۵۷۶۔

ا بو دا ود، السنن، كتاب الزكوٰة، باب الكنز ماهو و زكوٰة الحلی، رقم:۱۳۳۶ ۔

نسائی، السنن، كتاب الزكوٰة، باب فی زكوٰة الحلی، رقم:۲۴۳۴۔

(۴۷) ا بو داود، السنن، كتاب الزكوٰة، باب الكنز ماهو و زكوٰة الحلی، رقم:۱۳۳۷ ۔

(۴۸) التوبه:۳۴-۳۵۔

(۴۹) ا بو داود، السنن، كتاب الزكوٰة، باب الكنز ماهو و زكوٰة الحلی، رقم:۱۳۳۶ ۔

(۵۰) بخاری، الجامع الصحیح، كتاب الزكوٰة، باب ما أدى زكاته فليس بكنز، رقم:۱۳۱۷۔

(۵۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:

بیهقی، السُّنن الکُبریٰ، كتاب الزكوٰة، باب من قال لا زكوٰة فی الحلی، ۴:۲۳۲-۲۳۴۔

(۵۲) زحیلی، الفقه الاسلامی وأدِلّته، ۸۳۳-۸۳۴۔

(۵۳) زیلعی، تبیین الحقائق، باب صدقة السوائم، ۱:۲۶۴۔ مکتبہ امدادیہ، ملتان

(۵۴) نسفی، کنز الدقائق، باب صدقة السوائم۔

(۵۵) دیکھئے: فیروزآبادی، القاموس المحیط، ۲:۱۴۸۱۔

گنگوہی، محمد حنیف، معدن الحقائق، ص:۱۹۵، دارالاشاعت کراچی۔

(۵۶) فیروزآبادی، القاموس المحیط، ۲:۱۱۱۸۔

گنگوہی، معدن الحقائق، ص:۲۰۰۔

(۵۷) بخاری، الجامع الصحیح، كتاب الزكوٰة، باب من بلغت عنده صدقة بنت مخاض وليست عندهٗ، رقم:۱۳۶۱، ۱۳۶۲۔ کتب خانہ کراچی، ۱۹۶۱ء

(۵۸) تفصیل کے دیکھئے:

بخاری، الجامع الصحیح، كتاب الزكوٰة، باب من بلغت عنده صدقة بنت مخاض وليست عندهٗ، رقم:۱۳۶۱، ۱۳۶۲۔

قدوری، مختصر القدوری، باب الصدقة السوائم، ص:۳۷۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، سن ندارد

مرغینانی،هدایة،باب الصدقۃ السوائم ۱:۱۸۸۔
نسفی، کنز الدقائق، باب الصدقۃ السوائم ،ص:۵۶۔
ابن نُجیم، البحر الرائق ،باب الصدقۃ السوائم ،۲:۳۷۳۔مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ،سن ندارد
زیلعی،تبیین الحقائق،باب الصدقۃ السوائم ،۱:۲۵۸۔
کاسانی، بدائع الصنائع ،۲:۲۶۔
ابن عابدین،ردّ المحتار ،۲:۱۸۔مکتبہ ماجدیہ،کوئٹہ،۱۹۷۹ء
زحیلی ،الفقہ الاسلامی واَدِلَّتہٗ ،۸۳۷-۸۳۸۔

(۵۹) تفصیل کے ملاحظہ ہو:
بخاری، الجامع الصحیح،کتاب الزکوٰۃ،باب من بلغت عندہ صدقۃ بنت مخاض ولیست عندہٗ، رقم:۱۳۶۱،۱۳۶۲۔قدیمی کتب خانہ،کراچی،۱۹۶۱ء
ابو داود، السنن ،کتاب الزکوٰۃ، باب فی زکاۃالسائمۃ،رقم:۱۳۳۹ ۔
نسائی، السنن، کتاب الزکوٰۃ، باب فی زکاۃ الابل ،رقم:۲۴۰۴۔
ابنِ ماجہ، السنن،کتاب الزکاۃ، باب اذا اخذ المصدق سنا دون سن أو فوق سن ،رقم:۱۷۹۰۔ دارالمعرفہ،بیروت،۱۹۹۶ء
احمد بن حنبل، المسند، کتاب مسند العشرۃ المبشرین بالجنۃ،رقم:۴۴۰۵۔

(۶۰) بنوری،معارف السنن،۵:۱۷۵،مکتبہ بنوریہ،کراچی۔

(۶۱) دار قطنی، السنن،کتاب الزکاۃ: باب زکاۃ الابل والغنم،۲:۹۸،رقم:۱۹۶۵۔دارالکتب العلمیۃ،بیروت ۱۹۹۶ء

(۶۲) ابوداود، السنن ،کتاب الزکوٰۃ، باب فی زکاۃالسائمۃ،رقم:۱۳۳۹ ۔

(۶۳) مزید دلائل اور تفصیل کے لئے دیکھئے:
قدوری، مختصر القدوری،ص:۳۷۔ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ،ملتان،سن ندارد
مرغینانی، باب الصدقۃ السوائم ۱:۱۸۸۔
نسفی،کنز الدقائق ، باب الصدقۃ السوائم،ص:۵۶۔
ابن نُجیم، البحر الرائق ، باب الصدقۃ السوائم،۲:۳۷۳-۳۷۴۔
زیلعی،تبیین الحقائق، باب الصدقۃ السوائم،۱:۲۵۸-۲۶۰۔

(۶۴) تفصیل کے لئے دیکھئے:

بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب من بلغت عنده صدقة بنت مخاض ولیست عندهٗ، رقم:۱۳۶۱،۱۳۶۲۔

قدوری، مختصر القدوری، باب الصدقة السوائم، ص:۳۹۔

مرغینانی، هدایه، باب الصدقۃ السوائم ۱:۱۹۰۔

نسفی، کنز الدقائق، باب الصدقۃ السوائم، ص:۵۸۔

ابن نُجیم، البحر الرائق، باب الصدقۃ السوائم، ۲:۳۷۸۔

زیلعی، تبیین الحقائق، باب الصدقۃ السوائم، ۱:۲۶۳۔

کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۲:۲۸۔

ابن عابدین، ردّ المختار، ۲:۲۰۔ مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، ۱۹۷۹ء

زحیلی، الفقه الاسلامی وَاَدِلَّتُهٗ، ۸۳۳-۸۳۴۔

(۶۵) نسفی، کنز الدقائق، باب صدقة السوائم، ص:۹۵۔

(۶۶) تفصیل مع دلائل کے لئے دیکھئے: ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر، ۱:۴۹۹-۵۰۰۔

(۶۷) بیہقی، السُّنن الکُبریٰ، باب کیف فرض صدقة البقر، ۴:۱۵۶، رقم:۷۲۹۸۔

(۶۸) ترمذی، الجامع، کتاب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی زکاۃ البقر، رقم:۶۲۵۔

(۶۹) عینی، بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد، عمدة القاری شرح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب لیس علی المسلم فی فرسهٖ صدقة، ۹:۳۶، احیاء التراث، بیروت، لبنان۔

(۷۰) تفصیل کے لئے دیکھئے:

بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، با لیس علی المسلم فی عبدهٖ صدقة، رقم:۱۳۷۱۔

مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب لا زکوٰۃ علی المسلم فی عبدهٖ وفرسهٖ، رقم:۱۶۳۲، ۱۶۳۳۔

ترمذی، الجامع، کتاب الزکوٰۃ، باب ماجاء لیس فی الخیل و الرقیق صدقة، رقم:۵۶۹۔

(۷۱) ترمذی، الجامع، کتاب الزکوٰۃ، باب ما جاء فی زکوٰۃ الذهب و الورق: رقم:۵۶۳۔

(۷۲) بیهقی، السُّنن الکُبریٰ، کتاب الزکاۃ، باب من رأی فی الخیل صدقة، ۴:۲۰۲، رقم:۷۴۱۹۔

(۷۳) دار قطنی، السنن،کتاب الزکوٰۃ، باب زکوۃ مال التجارۃ و سقوطھا عن الخیل و الرقیق ،۲:۱۰۹ ، رقم:۲۰۰۰۔

(۷۴) ایضاً ۲:۱۱۰،رقم:۲۰۰۱۔

(۷۵) کاسانی،بدائع الصنائع ،۲:۳۴۔

(۷٦) عینی،عمدۃ القاری ، کتاب الزکوٰۃ،باب لیس علی المسلم فی فرسہٖ صدقۃٌ ،۹:۳٦۔احیاءلتراث، بیروت،لبنان

(۷۷) مسلم، الجامع الصحیح،کتاب الزکاۃ ،باب إثم مانع الزکوٰۃ،رقم:۱٦۴۷۔

بیھقي ، السُّنن الکُبریٰ ، باب زکاۃ الذھب،۴:۲۳۱،رقم:۷۵۳۳۔

(۷۸) طحاوی،ابوجعفراحمد بن سلامۃ ازدی مصری،شرح معانی الآثار ، کتاب الزکوٰۃ ، باب الخیل السائمۃ ھل فیھا صدقۃ ام لا؟۱:۲٦۰۔میر محمد کتب خانہ،کراچی

(۷۹) ایضاً۔

(۸۰) عینی،عمدۃ القاری ، کتاب الزکوٰۃ، باب لیس علی المسلم فی فرسہٖ صدقۃ،۹:۳۷۔

(۸۱) مزید تفصیل اوردلائل کے لئے دیکھئے:

نسفی،کنز الدقائق ، باب الصدقۃ السوائم،ص:۵۹۔

ابن نُجیم، البحر الرائق ، باب الصدقۃ السوائم،۲:۳۷۹۔

زیلعی،تبیین الحقائق،باب الصدقۃ السوائم،۱:۲٦۵۔

(۸۲) کاسانی، بدائع الصنائع ،۲:۲۰۔

(۸۳) ابو داود، السنن،کتاب الزکوٰۃ، باب العروض اذا کانت للتجارۃ ھل فیھا زکوٰۃ ؟رقم:۱۳۳۵۔

(۸۴) زحیلی،الفقۃ الاسلامی وادِلّتہُ، ۸٦۴-۸٦۵

(۸۵) بخاری، الجامع الصحیح ، کتاب الزکوٰۃ، باب العشر فیما یُسقٰی من مآء السمآء والمآء الجاری،۱/۲۰۱،۔

(۸٦) مفتی محمد شفیع،اسلام کا نظام اراضی،ص:۱۹۱،دارالاشاعت کراچی۔

(۸۷) الفتاویٰ الہندیہ المعروف بہ الفتاویٰ العالمگیریہ،۱:۱۹۱۔

(۸۸) الواقعۃ:٦۳-۷۰۔

(۸۹) ترمذی، الجامع، کتاب الزکوٰۃ ،باب ماجاء فی صدقۃ الزرع و الثمر والحبوب،رقم:٦٦۸۔

(۹۰) وسق ایک پیمانہ ہے جو ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے۔ اوقیہ، وسق اور صاع کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:
مفتی محمد شفیعؒ، جواہر الفقہ، ص:۴۲۸، مکتبہ دار العلوم کراچی۔

(۹۱) البقرۃ:۲۶۷۔

(۹۲) مرغینانی، ھدایۃ، ۱/۲۰۱)۔

(۹۳) بخاری، الجامع الصحیح ، کتاب الزکوٰۃ، باب العشر فیما یسقیٰ من ماء السمآء و بالمآء الجاری، رقم:۱۳۸۸۔

(۹۴) عن عبد الرزاق ... قال: کتب عمر بن عبد العزیز ان یؤخذ مما انبتت الارض من قلیل او کثیر العشر، صنعانی ، حافظ ابو بکر عبدالرزاق بن ھمام، مصنف عبد الرزاق، باب الخضر، ۴: ۱۲۱، رقم:۱۹۶۷۔

نیز دیکھئے: ابو شیبہ، مصنف ابن ابی شیبہ، باب فی کل شئ أخرجت الارض زکاۃ، ۳:۱۳۹۔

(۹۵) مصنف عبد الرزاق میں حضرت معمر کی روایت ہے کہ حضرت امام مجاہدؒ کا بھی یہی مسلک ہے، مصنف عبد الرزاق، باب الخضر، ۴:۱۲۱، رقم:۱۹۷۔

(۹۶) عن عبد الرزاق عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم قال: فی کل شئ انبتت الارض العشر.
مصنف عبد الرزاق،
باب الخضر، ۴:۱۲۱، رقم:۱۹۵۷۔

نیز دیکھئے: ابن ابی شیبہ، مصنف ابن ابی شیبہ، باب فی کل شئ أخرجت الارض زکاۃ، ۳:۱۳۹۔

(۹۷) عن الزھری أنہ کان لا یوقت فی الثمر شیئا وقال: العشر و نصف العشر، مصنف ابن ابی شیبہ، باب فی کل شئ أخرجت الارض زکاۃ، ۳:۱۳۹۔

(۹۸) بغوی، محمد حسین بن مسعود، شرح السنہ، ۳:۳۴۴، دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۲۔

بیھقی، السُّنن الکُبریٰ، کتاب الزکاۃ، باب لا توخذ صدقۃ شئ من الشجر غیر النخل و العنب، ۴:۲۱۰، رقم:۷۴۵۱۔

(۹۹) ترمذی، الجامع، کتاب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی الخرص، رقم:۵۸۳۔

ابو داود، السنن، کتاب الزکوٰۃ، باب فی الخرص العنب، رقم:۱۳۶۶، ۔

(۱۰۰) ترمذی، الجامع ، کتاب الزکوٰۃ ، باب ماجاء فی زکوٰۃ العسل رقم:۵۷۰۔

(۱۰۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: بنوری، سید محمد یوسف بن محمد زکریا، معارف السنن، ۵:۲۱۶-۲۱۸، مکتبہ بنوریہ، کراچی۔

(۱۰۲) ابنِ ماجه، السنن، کتاب الزکوٰۃ ، باب زکوٰۃ العسل ، رقم:۱۸۱۳۔

(۱۰۳) ایضاً، باب زکوٰۃ العسل، رقم:۱۸۱۴۔

(۱۰۴) بیہقی، السنن الکبریٰ ، کتاب الزکوٰۃ، باب ما ورد فی العسل، رقم:۷۴۵۹۔

(۱۰۵) ابن قُدامہ، المُغنی، ۲:۱۳۷۔ ہجر للطباعۃ والنشر و التودیع، قاہرہ، ۱۹۸۷ء

(۱۰۶) بخاری، الجامع الصحیح ، کتاب الزکوٰۃ، باب فی الرکاز الخمس، رقم:۱۴۰۳۔

(۱۰۷) احمد بن حنبل، المسند، کتاب باقی مسند المکثرین، مسند انس بن مالک ، رقم:۱۱۸۵۰۔

(۱۰۸) بخاری، الجامع الصحیح ، کتاب الزکوٰۃ، باب فی الرکاز الخمس۔

(۱۰۹) ابنِ منظور، لسان العرب، ۷:۲۲۳۔

(۱۱۰) عینی، عمدۃ القاری، ۹:۱۰۰۔

(۱۱۱) ابوعبید، کتاب الاموال، ص: ۲۴۰-۲۴۱ ۔

(۱۱۲) ایضاً۔

(۱۱۳) ایضاً۔

(۱۱۴) عینی، عمدۃ القاری ، باب فی الرکاز الخمس، ۹:۱۰۳۔